

10-12

محادث



375678  
10-12  
10

20



مجلس التحقيق الإسلامي كاردن ناؤن لاہور

مدیر اعلیٰ

حافظ عبدالرحمن مٹھی

# ماہنامہ محدث لاہور

## ماہنامہ 'محدث' لاہور کا اجمالی تعارف

مدیر اعلیٰ: حافظ عبدالرحمن مدنی      مدیر: ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ماہنامہ 'محدث' لاہور، ہندوستان سے نکلنے والے ایک رسالے کی ہی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والے رسالے - جس کا نام محدث تھا - کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیم ہند کے بعد دوبارہ ماہنامہ 'محدث' لاہور کے نام سے پاکستان میں معروف عالم دین و دانشور حافظ عبدالرحمن مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا اجراء کیا۔ یہ تحقیقی رسالہ ۱۹۷۰ء سے اب تک کامیابی و کامرانی سے شائع ہو رہا ہے، واللہ الحمد!

محدث کی علمی پہچان کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ہر صاحب علم و فضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور لحدانہ افکار کیلئے شمشیر بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

## گھر بیٹھے 'محدث' وصول کیجئے!

قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کیلئے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں!

فنی شماره: ۲۰ روپے      زیر سالانہ: ۲۰۰ روپے      بیرون ملک: ۲۰ ڈالر

بذریعہ منی آرڈر / بینک ڈرافٹ ۲۰۰ روپے بھیج کر سال بھر گھر بیٹھے محدث وصول کریں اور علمی و تحقیقی

مضامین سے استفادہ کریں۔ ایڈریس: ماہنامہ محدث، ۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۷۴۷۰۰

فون نمبر: 0305 - 4600861 / 042 - 3586639 / 35866476      موبائل: 0305 - 4600861

انٹرنیٹ پر محدث پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کیلئے درج ذیل ویب سائٹ دیکھئے!

www.kitabosunnat.com      www.mohaddis.com

مزید تفصیلات کیلئے: webmaster@kitabosunnat.com

## اجرائے محدث کے مقاصد

✍ عناد اور تعصب قوم کیلئے زہر ہلا بل کی حیثیت رکھتے ہیں!

لیکن تعصبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم اُمت کیلئے رحمت کا باعث ہے۔

✍ علوم جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں!

لیکن قدیم علوم اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دُقیانوس بنانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

✍ غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اُقدار کے منافی ہے!

لیکن دین اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیت دینی اور غیرت اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

✍ تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالِحِ دینیہ کے خلاف ہے!

لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رواداری برتنا اور قوانین و مسائل اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

✍ آئین و سیاست سے بیگانہ ہر کر عبادت کیلئے گوشہ نشین ہو جانازندگی سے فرار ہے!

لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔

✍ جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اوصاف میں داخل ہے!

لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

# ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ!

کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

ملتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

# ماہنامہ محدث لاہور

جلد ۱۰ محرم الحرام ۱۴۰۰ھ عدد ۱-۲

## فہرست مضامین

- |    |                               |  |             |
|----|-------------------------------|--|-------------|
| ۲  | مولانا عبدالرحمن کیلانی       | پاکستان میں سیاسی جماعتوں کا وجود                                | فکر و نظر   |
| ۹  | مولانا عزیز زبیدی             | استفادہ  | دارالافتاء  |
| ۱۴ | مولانا عبدالسلام رحمانی (نجد) | فضائل محرم و یوم عاشوراء<br>محدث روپڑی کا اعلیٰ تحقیقی فتویٰ اور | نقد و بحث   |
| ۳۹ | مولانا ابوالسلام محمد صدیق    | مولانا عزیز زبیدی کا تعاقب                                       |             |
| ۴۴ | طاب باطنی                     | بزم رسالت کی بارہ شمیں   | تاریخ و سیر |
| ۵۰ | اسعد گیلانی                   | سید اسماعیل شہید   |             |
| ۸  | اسرار احمد سہاروی             | غزل  | شعر و ادب   |
| ۵۵ | عبدالرحمن عاجز                | دنیا جسے کہتے ہیں یہ اک مارحین ہے                                |             |
| ۵۶ | طاب باطنی                     | تعارف تبصرہ و رتبہ   |             |

ناشر: حافظ عبدالرحمان مدنی، طابع: چودھری رشید احمد، مطبع: مکتبہ تنبیہ پریس، فاطمہ جناح لاہور

کلیہ: ہارون الرشید کیلانی، ذرا سالانہ: ۱۵ روپے، فی پرچہ: ۲ روپے

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## پاکستان ہیں سیاسی جماعتوں کا وجود

۱۶ اکتوبر ۱۹۷۹ء کو صدر پاکستان نے تمام سیاسی پارٹیوں کو کالعدم قرار دے کر اور انتخابات کو غیر معینہ مدت کے لیے ملتوی کر کے ایک دفعہ پھر ملک قوم کو تباہی سے بچایا ہے ہم اس اعلان کا بغیر مقدم کرتے ہیں اور جہاں تک ہمارا مطالعہ ہے عوام کی اکثریت صدر موصوف کے اس فیصلے پر نہایت خوش اور ترو دل سے مشکور ہے۔

دیے تو مغربی جمہوری نظام کا یہ خاصہ ہے کہ اس کے زیر سایہ بہت سی سیاسی جماعتیں معرض وجود میں آجاتی ہیں لیکن پاکستان کی سرزمین اس معاملے میں ضرورت سے کچھ زیادہ ہی زیر غر ثبات ہوئی ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ جب انتخابات کے انعقاد کا دور دورہ ہو تو کئی نئی جماعتیں اس سرعت سے نمودار ہونے لگتی ہیں جیسے موسم برسات میں "حشرات الارض" جولائی ۱۹۷۷ء میں جب موجودہ حکومت نے عثمان حکومت سنبھالی تو اس وقت صدر موصوف کے بیان کے مطابق ان جماعتوں کی تعداد ۴۶ کے لگ بھگ تھی۔ ظاہر ہے کہ کسی ملک میں سیاسی جماعتوں کی اتنی بڑی تعداد کبھی خوشگوار نتائج پیدا نہیں کر سکتی لہذا صدر موصوف نے کئی بار انتباہ کیا کہ ان جماعتوں کی اتنی بڑی تعداد قوم و ملک کے لئے ناہ کن ہے اور اس میں بہر طور کمی واقع ہونی چاہیے لیکن اس انتباہ کے باوجود ان جماعتوں کی تعداد بڑھتی ہی گئی اور ۱۹۷۸ء میں یہ تعداد ۸۴ تک پہنچ گئی۔ پھر جب مارچ ۱۹۷۹ء میں انتخابات کے انعقاد کی تاریخ بھی مقرر کر دی گئی تو اس تعداد میں مزید اضافہ ہونا شروع ہو گیا۔ حتیٰ کہ ان جماعتوں کی تعداد ۲۶۶ تک جا پہنچی۔ بالآخر صدر موصوف کو پولیٹیکل پارٹیز ایکٹ میں ترامیم کر کے ان کی تحدید کرنا پڑی جس پر یہ جماعتیں چیں بہ چیں ہونے لگیں۔ اور حکومت سے حماد آرائی شروع کر دی۔ ظاہر ہے کہ یہ سب جماعتیں ایک دوسرے کے خلاف بھی حماد آرائی اٹھ جوڑا اور ساز باز میں مصروف عمل تھیں۔ پوری قوم تشقت و انتشار کا شکار ہو رہی تھی۔ سیاسی رہنماؤں کے منت نے بیانات اور صحافت جہانت کی بولیوں نے عوام کو سخت پریشان کر



رکھا تھا۔ اندر میں صورت اگر انتخابات منعقد ہو بھی جاتے تو شر اور فساد کے سوا کچھ بھی حاصل نہ ہوتا۔ یہی کسی متعظم حکومت کے قیام کی بات، تو ہمارے خیال تو یہ صحیح  
 دماغ پیہدہ پخت و خیال باطل بست

والی بات تھی۔

مختلف اور متضاد نظریات کے حامل سیاسی رہنماؤں کی یہ فوج ظفر موج جس قدر قوم میں انتشار برپا کر سکتی ہے، اس کے تصور سے ہی روح کا نپاٹھتی ہے۔ اور اس سے بھی زیادہ دل خراش یہ حقیقت ہے کہ الیکشن کے دوران قومی سرمایہ کا ضیاع ملکی معیشت کی جڑیں ہلا دیتا ہے۔ خود فرمایے، اچھلے دنوں بلدیاتی انتخابات ہوئے تو صرف لاہور کی ۱۰ نشستوں کے لیے ۱۹۴۷ء درخواستیں موصول ہوئیں جن میں سے بالآخر ۱۶۰ امیدواروں نے حصہ لیا ہر امیدوار نے کم از کم پچیس تیس ہزار روپے خرچ کیے ہیں۔ بلکہ رپورٹ ایسی بھی ملی ہے کہ کئی منچوں نے ڈیڑھ ڈیڑھ لاکھ تک خرچ کر ڈالا۔ اگر ہم احتیاط کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ خرچ تیس ہزار روپے فی نمائندہ بھی شمار کریں تو یہ رقم ۳۰۰۰۰۰۰۰ = چار کروڑ اسی ہزار روپے بنتی ہے۔ یہ تو قومی سرمایہ کا ضیاع ہوا۔ اسپورٹسوں اور کارکنوں کے وقت کا ضیاع الگ اور دوسرے کئی قسم کے نقصانات مستتر از میں۔ اس حساب سے اگر پورے پاکستان کا تخمینہ لگایا جائے تو یہ نقصان اربوں تک جا پہنچتا ہے۔ یہ تو بلدیاتی انتخابات کا قصہ۔ اس سے صوبائی اور قومی اسمبلیوں اور سینٹ کے انتخابات میں سرمایہ کے ضیاع کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ذرا سوچیے پاکستان جیسا غریب ملک جسے دنیا کے غریب ترین ملک میں شمار کیا جاتا ہے، جھلا ایسے معاشی نقصان کا تحمل ہو سکتا ہے؟

اس نظیر نقصان کی ایک بڑی وجہ سیاسی جماعتوں کی کثرت ہے جو ہر نشست پر اپنا الگ نمائندہ کھڑا کرنے کی تمنیٰ ہوتی رہی۔

قارئین صفحات کی ترتیب سے متعلق کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں۔ محرم اور صفر کا الگ الگ مہینہ شمار ہر وقت ترتیب دیا گیا تھا۔ لیکن سنہ کے بعد موجودہ شکل میں دونوں شمارے اکٹھے شائع کرنا ہماری مجبوری ہے۔ دونوں شماروں کی اصل صفحات ۵۶ + ۲۸ + ۱۰۴ (صفحہ غمی - والسلام (ادارہ)

ان چھوٹے چھوٹے سیاسی رہنماؤں کی ایک کثیر تعداد معرض وجود میں آجاتی ہے اور یہ سب کچھ کاروبار ملک میں اپنا حصہ رسدی وصول کرنے اور اس سے زیادہ واضح الفاظ میں اپنا پیٹ بھرنے کے لیے ملک و تاز میں مصروف ہو جاتے ہیں۔

اس کی درجہ محض یہ ہے کہ ہمارے ہاں ایک نمائندہ کے لئے اس کے علاوہ کوئی شرط نہیں ہے کہ اس کا نام قبرست رائے دہندگان میں درج ہو اور اس کی عمر ۲۵ سال سے کم نہ ہو۔ حیرت کی بات ہے کہ ایک چھوٹا سی ملک کے تقریباً کے وقت تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس کی تعلیم کیا ہے؟ کچھ تجربہ ہے یا نہیں؟ دوسری باتیں کیا کچھ ہیں؟ لیکن ایسے لوگوں کے لئے، جو کاروبار حکومت میں شمولیت کے لئے درخواستیں گزارتے ہیں ان کے لئے کوئی بھی پابندی نہیں ہے۔ اور اس سے بھی زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ نمائندہ کے لئے تو پھر عمر اور نام کے اندراج کی شرط ہے کسی سیاسی جماعت کے لئے اتنی پابندی بھی ہمارے ہاں موجود نہ تھی۔ لہذا جس کسی کے جی میں اقتدار کی ہوس لگ رہی ہے اسے اپنے گتے وہ اپنی انگ ڈیڑھ اینٹ کی سچچن لیتا۔ لہذا سیاسی جماعتوں کی روز افزوں تعداد پر کنٹرول کرنے کے لئے ان پر کچھ پابندیاں عائد کرنا نہایت ضروری ہو گیا تھا۔ اور جب ان پر چند ایک پابندیاں عائد کر دی گئیں تو ہمارے رہنماؤں نے اسے اپنی انا کا مسئلہ بنا کر اس حکومت سے الجھنا شروع کر دیا اور جو وہ حکومت نے اس سیاسی بحران کا بروقت اور صحیح ترین حل پیش کر کے قوم پر بہت بڑا احسان کیا ہے اور قوم نے اس بات پر اشد کا شکر ادا کیا ہے کہ اب کچھ مدت کے لئے ان سیاسی لیڈروں سے نجات مل گئی۔

سیاسی جماعتوں پر منجملہ دیگر پابندیوں کے ایک پابندی یہ تھی کہ وہ اپنا حبل کتاب حکومت کو پیش کریں کہ ایسی غلامی جماعتیں جو میری وفی امداد کے سہارے عوام کے جان و مال سے کھیلتی اور ملک کو داؤ پر لگا دینے پر تئی ہوتی ہیں، منظرِ عام پر آ سکیں۔ حقیقتاً ایک بڑی اچھی بات تھی لیکن ہمارے ان سیاسی قائدین نے اس کی بھی مخالفت کر کے اپنے آپ کو عوام کی نگاہوں میں خود ہی مشکوک بنا لیا کیونکہ عوام تو چاہتے ہی یہ ہیں کہ تمام سیاسی جماعتوں کا اختلاف ہونا کہ انہیں معلوم ہو سکے کہ ان کا اصل دشمن کون ہے۔ کہیں ہمارے یہ لیڈر ہی ہمارے اصلی دشمن تو نہیں جو آئے دن ہمیں اسلام کے نام پر استعمال کرتے اور کٹواتے، مرواتے ہیں اور خود دشمن کی کٹھ پتلی بنے ہوئے ہیں؟

پاکستان نظریاتی لحاظ سے ایک اسلامی مملکت ہے۔ آئیے اب دیکھیں کہ ایسی صورت حال میں اسلام ہمارے کیا رہنمائی کرتا ہے۔

اسلامی نقطہ نگاہ سے کسی معاشرہ کے صرف دو ہی فرقے پارٹیاں ہو سکتی ہیں۔ ایک وہ جو اللہ کی تائید کردہ شریعت پر ایمان رکھتی ہے اور اسے دستورِ حیات بنانا چاہتی ہے اور اس میں سرگرم عمل ہے قرآن کریم نے اس پارٹی کا نام "حزب اللہ" تجویز کیا ہے۔ حزب کا لفظ سیاسی پارٹی کے

یہ مخصوص ہے قرآن کریم نے حزب اللہ کی یہ تعریف فرمائی ہے :

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ  
الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ  
حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ

”میں نے نہیں پائی قوم کوئی، نہ پائیں گے جو اللہ اور یوم  
آخرت پر ایمان بھی رکھتی ہو پھر ایسے لوگوں سے دوستی بھی رکھے  
جو اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔“

یعنی یہ اللہ کی پارٹی نہ تو لادین جماعتوں کے ساتھ الحاق کر سکتی ہے اور نہ اسلام کے علاوہ  
دوسرے نظریات و احکام کو قبول کر سکتی ہے۔ اس جماعت کی چند دوسری صفات بیان کرنے کے  
بعد فرمایا :

أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ ۚ أَلَا إِنَّ  
حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

”یہی لوگ اللہ کی جماعت ہیں بے گناہ رہو یہی اللہ  
کی جماعت فلاح پائے گی۔“

اس کے مقابل دوسری وہ پارٹی ہے جو اسلامی نظام حیات کو پسند نہیں کرتی خواہ وہ نام کی  
مسلمان ہی کیوں نہ ہو۔ ایسی دشمن اسلام یا دین بیزار جماعت کو قرآن کریم نے ”حزب الشیطان“  
کا نام دیا ہے۔ اور شادی بادی ہے :

إِسْتَحْوِذْ عَالِمُ الدُّنْيَا  
وَالْآخِرَةِ حِزْبَ الشَّيْطَانِ

”ان پر شیطان نے اپنی گرفت مضبوط کر رکھی ہے اور انہیں خدا کی  
یاد سے غافل کر رکھا ہے یہی لوگ شیطان کی پارٹی ہیں گناہ  
رہو یہ شیطان کی جماعت ہی گناہ میں رہے گی۔“

دیکھئے آیات بالا سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ کیے جاسکتے ہیں :

۱) حزب اللہ صرف ایک ہی پارٹی ہو سکتی ہے جبکہ حزب الشیطان بہت سی جماعتیں ہو سکتی  
ہیں کیونکہ حق کا یا سیدھا راستہ صرف ایک ہو سکتا ہے اور باطل کی راہیں لاتعداد ہو سکتی ہیں۔

۲) اسلام کے خلاف باطل نظریات کی حامل پارٹیاں عموماً مشن کر کے محاذ لیتی ہیں اور اس کے  
مٹانے کے درپے رہتی ہیں۔ جبکہ حضور اکرمؐ کے زمانہ میں بھی ہوا کہ جنگ خندق کے موقع پر  
اسلام کے مخالف تمام قبائل چڑھ آئے تھے۔ قرآن کریم نے انہیں احزاب کے نام سے پکارا  
ہے اور علامہ اقبال نے اس حقیقت کو بول بیان کیا ہے :

لے حزب کے لغوی معنی پارٹی، جھگڑا، گروہ اور تہجد اور عداوت ہیں کسی پارٹی میں داخل ہونا یہ جھگڑنا، گروہ مٹانا۔ اور احزاب کے  
معنی وہ لوگ جن کے دل اور اعمال پس میں مشابہت رکھتے ہوں اگرچہ وہ ایک جگہ نہ ہوں (منجد) امام راعب نے حزب کے معنی  
”ایسی جماعت جس میں سختی اور شدت پائی جاتی ہو“ بیان کیے ہیں (مفردات)



ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغ مصطفوی سے شراب برپا رہی  
۳۔ ایک اسلامی ملک میں شیطانی جماعت کا رواج و بار ملکیت میں حصہ نہیں لے سکتی گویا اسلام جماعتی  
حکومت (ONE PARTY GOVERNMENT) کا حامی ہے۔ اس طرح سیاسی پارٹیوں کی از  
خود تحدید ہو جاتی ہے۔

اس بحث کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اسلام اتحاد اور یک جہتی کا قائل ہے۔ قرآن حکیم کا واضح  
حکم ہے :

”وَاعْتَصِرُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا“ (اے مسلمانو! سب مل کر اٹھ کر رہو اور احکام شریعت  
کو مضبوطی سے رکھو اور فرقے نہ ہو جاؤ۔)  
(آل عمران)

اس آیت مجید کی رو سے اسلام میں سیاسی جماعتوں کی تشکیل بالکل ناجائز بلکہ حرام ہے۔ کیا  
اس حکم خداوندی کی رو سے یہ تمام سیاسی جماعتیں کا عدم قرار نہیں دی جاسکتی؟  
اسلام تفرقہ و انتشار کو شرک کے مترادف قرار دیتا ہے۔ ارشاد باری ہے :  
”وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ مِنَ الَّذِينَ  
قَرَأُوا دِينَكَ وَكَانُوا شِيعًا“ اور شرکوں میں نہ ہونا (یعنی) ان لوگوں میں جنہوں  
اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اور خود فرقے  
فرقے ہو گئے۔

تفرقہ بازی کو شرک قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ کسی فرقہ کا وجود ہی اس صورت میں پیدا ہوتا ہے جب  
وہ اسلام کی عام تعلیمات سے ہٹ کر کچھ مخصوص نظریات کو اپنانا یا رسول کے علاوہ کسی دوسرے کو  
بھی اپنا مقتدا تصور کر لے۔ اور اسی چیز کا نام شرک ہے پھر جس طرح مذہبی تفرقہ بازی ایک جرم عظیم ہے  
بعینہ سیاسی تفرقہ بازی بھی ایسا ہی جرم ہے کیونکہ اسلام میں سیاست بھی اسی کا ایک حصہ ہے جس کے  
بے مکمل ضابطہ موجود ہے۔ تقیر کے لحاظ سے بھی دونوں قسم کی تفرقہ بازی قوم کو ایک ہی جیسے ناخوشگوار  
حالات سے دوچار کر دیتی ہے۔ لہذا اسلامی ملک میں سیاسی پارٹیوں کی بہتات کی کوئی وجہ و جواز نہیں۔  
البتہ یہ ممکن ہے کہ اسلامی نظریات کی حامل جماعتوں میں بھی ملک کے نظم و نسق چلانے اور اسلامی  
احکامات و نظریات کے نفاذ کے سلسلہ میں کچھ فروعی قسم کے اختلافات ہوں۔ تاہم یہ چند ایک ہی ہو  
سکتی ہیں۔ کیونکہ ہر جماعت اپنے ان فروعات کو قرآن و سنت کے بغیر تبدیل قوانین سے بدل لائے مستنبط  
کرنے کی پابند ہے۔ ان میں سے قرآن و سنت سے قریب تر نظریہ رکھنے والی جماعت کو انتخاب میں  
حصہ لینے کا زیادہ حقدار سمجھا جائے گا۔ اس مقصد کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ہر جماعت اپنا منشور

پیش کرے اور آئندہ لائحہ عمل کے متعلق قرآن و سنت سے دلائل بھی بہم پہنچانے کا ہر ہے کہ یہ پابندی گوارا کرنا ہر کسی کے بس کا روگ نہیں بلکہ سیاسی جماعتوں کی از خود ہی تحدید ہو جاتی ہے۔

اسلام کے سیاسی نظام کا تیسرا پہلو یہ ہے کہ ایک اسلامی مملکت میں — مغربی جمہوریت کی طرح انتخابات کسی معین عرصہ کے لیے منعقد نہیں کرائے جاتے۔ ان انتخابات سے صوبائی اور قومی اسمبلیاں اور سینٹ وغیرہ وجود میں آتے ہیں جو ملک کے قانون ساز ادارے ہوتے ہیں۔ اسلام میں سرے سے مقننہ کی ضرورت ہی نہیں ہے کیونکہ ایسی مملکت کا قانون ساز خود اللہ تعالیٰ ہے حتیٰ کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قانون سازی کا اختیار نہ تھا اور یہی اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا صحیح مفہوم ہے۔ اسلامی مملکت کا قانون پہلے سے ہی کتاب و سنت میں موجود ہے۔ رہے انتظامی قوانین اور دوسرے حاضر کے تقاضوں کے متعلق جزوی قوانین، تو ان کے متعلق اسلام نے ضروری نظام تجویز کیا ہے یہاں اسمبلیوں اور پارلیمانی نظام کی سرے سے گنجائش ہی نہیں تو پھر سیاسی جماعتوں کی ضرورت از خود ہی ختم ہو جاتی ہے۔ اگر کسی اسلامی مملکت میں مقننہ وجود میں آکر کوئی ایسا قانون بنادیتی ہے جو قرآن و سنت کے مقصادم ہو تو یہ کھلا ہوا شرک ہے۔

اور اس کا چوتھا پہلو یہ ہے کہ ایک اسلامی ریاست کا سربراہ تاجین حیات سربراہ ہی رہتا ہے۔ تاہم وہ فسق و فجور میں مبتلا نہ ہو جائے۔ ایسی صورت میں اسے رائے عامہ کی قوت سے معزول کیا جاسکتا ہے اور اگر یہ آئینی طریقہ استعمال نہ کیا جائے تو جب تک وہ قرآن و سنت کے مطابق حکومت کا روپ چلاتا ہے مسلمانوں پر اس کی اطاعت واجب و لازم ہے۔ مغربی جمہوریت میں منتخب شدہ اسمبلیوں کا ایک کام یہ بھی ہوتا ہے کہ ان میں سے اکثریتی پارٹی اپنے میں سے "وزیر اعظم" کا انتخاب کرتی ہے ایک پارلیمانی نظام میں "وزیر اعظم" ہی ملک کا کردار ادا کرتا ہوتا ہے اور عملاً اسی کا حکم چلتا ہے۔ لہذا اس نظام میں جملہ خدائی اختیارات وزیر اعظم کو حاصل ہوتے ہیں اور اس کا انتخاب ایک معینہ کے بعد ضروری ہوتا ہے لیکن اسلامی ریاست کو جب ایسے "خدا" کی ضرورت ہی نہ ہو تو اس کو منتخب کرنے والی سیاسی جماعتوں کی ضرورت ہی کہاں باقی رہ جاتی ہے؟

اور اس بحث کا پانچواں پہلو یہ ہے کہ اسلام ہر ایسے نمائندہ پر جسے کاروبار مملکت میں شریک کرنا ہو یا مجلس شوریٰ کے لیے منتخب کرنا ہو چند کڑی شرائط عائد کر کے ان کی جانچ پڑتال کرتا ہے اسی طرح ووٹر یا رائے دہندے کے لیے بھی چند خصوصیات مقرر کرتا ہے جن کی تفصیل میں جانے کا یہ موقع نہیں اور اسے ہم کسی دوسرے موقع پر پیش کر چکے ہیں ایسی پابندیاں بھی سیاسی جماعتوں کی داخلہ پیدائش پر

کنٹرول کا ایک مؤثر ذریعہ ہیں۔

مندرجہ بالا تصدیقات سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام کا سیاسی نظام اور جمہوری نظام آپس میں مخالف اور متضاد چیزیں ہیں۔ اسلام میں مغربی جمہوریت کی پیوندکاری کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ لہذا یہاں کثیر سیاسی جماعتوں کا وجود ہی ناقابلِ برداشت ہوتا ہے۔

(مولانا عبدالرحمان کیلانی)



شعر ادب

اسرار احمد سہاروی

شعشع روشن ہو تو جلنے کو میں پر دانے بہت  
دل کی کیا کہیں کہ میں جانوں کے نذرانے بہت  
ذوق ہو دیوانگی کا اب بھی دیرانے بہت  
دل زدہ ہیں شانہ و نادر اور فرزانے بہت  
تھیں طرب گاہیں بہت کم اور غم خانے بہت  
دل ہو کہ سودا زدہ دنیا میں دیرانے بہت  
ہم کو یاد آیا کیے گشتہ افسانے بہت  
بستیاں آباد کم ہیں اور دیرانے بہت  
گرچہ دل کے مشورے ہر دور میں مانے بہت  
زندگی میں مدوح فرما غم کے افسانے بہت

سخن کی جلوہ نمائی ہو تو دیوانے بہت !!  
درد کے گرد قدرداں آئیں نظر کے سامنے  
قیس پر کیا منحصر ہے کو کہن ہے کیا ضرور  
دل کی دیرانی کا قصہ مختصر یہ ہے کہ آج !!  
وہ رہے نا آشنائے غم اگرچہ ہر طرف  
شوق کو ہمیں کیجیے بیدلی ہے سداہ  
بیدلی ہائے تمنا کا برا سہوان دنوں  
ایک عالم پر جویم یا اس ہے چھایا ہوا  
غم کے ہاتھوں ان دنوں مایوس ہی ہونا پڑا  
ان کو سننے کے لئے کچھ حوصلہ بھی ہو اگر

کیا کریں اسرار میں مجبور بے حدان دنوں

چھان مارے میں انہوں نے در نہ دیرانے بہت

## دارالافتار

عزیز زبیدی کوادریٹن - شیخ پورہ

## المستفتاء

لو دھرا سے ایک صاحبے پوچھتے ہیں کہ :

۱۔ ایک عورت جس کو تین طلاق ہو گئی ہیں۔ وہ اب صرف اس لیے حلالہ کراتی ہے کہ وہ پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے۔ کیا ایسا حلالہ شرعی حلالہ کہلائے گا اور وہ اس طرح پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے گی ؟

۲۔ کیا بے نماز عورت کا نکاح نمازی مرد سے ہو سکتا ہے ؟

ایک اور صاحبے پوچھتے ہیں کہ :

۳۔ سنہ ز میں جگر بم اللہ پڑھنا ثابت ہے ؟

۴۔ کیا خطبہ غیر عربی میں ہو سکتا ہے ؟

ضلع پشاور سے گل مان شاہ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ :

۵۔ سنا میں سیرت کا زیر ناف ہاتھ باندھنے میں سے صحیح کیا ہے ؟

سہر قرأت فاتحہ خلف الامام جائز ہے یا ناجائز ؟

۶۔ جیسا کہ حنفی حضرات دتر پڑھتے ہیں، میں بھی ویسے دتر میں رکعت پڑھتا رہا ہوں۔ کیا یہ درست ہے ؟

قرآن و حدیث کے ساتھ جواب عنایت فرمایا جائے۔

## الجواب :

## حلالہ

شرعی حلالہ تو یہ ہے کہ بغرض نکاح اور نباہ نکاح کیا جائے اور اسی طرح قدرتی

حالات کے تحت پھر اسے طلاق ہو جائے تو ایسی عورت پہلے خاوند کے لیے حلال

ہو سکتی ہے۔ (الابحاح ریختہ - قالم عمر)

غیر شرعی حلالہ یہ ہے کہ : سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق، دوسرے سے نکاح کیا جائے اور پھر سوچے

سمجھے منصوبے کے مطابق اس سے طلاق لی جائے تاکہ وہ پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے۔ ایسے نکاح کے

بارے میں بڑے اختلاف دو ہیں۔

۱۔ کہ کیا یہ نکاح ہوا بھی ہے یا نہ ؟ دب، اگر ہوا ہے تو کیا پہلے شوہر کے لیے قبل میس طلاق دی جائے

تو کافی رہے گی؟ ہمارے نزدیک صحیح یہ ہے کہ ایسا نکاح ہوا ہی نہیں پیغمبر خداؐ نے اسے "تیس مستعار" (مستعار بکر) جس سے غرض صرف جفتی ہوتی ہے، عقد نہیں، اسے تعمیر فرمایا ہے۔

"قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الا خبركم بالتيس المستعار؟ قالوا بلى يا رسول الله <sup>يقال</sup> هو المحلل" (سرداہ ابن ماجہ و لہ شواہد)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، حضورؐ کے عہد میں ہم اسے "زنا" تصور کرتے تھے:

"كنانعد هذا اسفاها على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم"

(سرداہ المحاکم والطبرانی وصحاح المحاکم)

چنانچہ اس طرح کا کبھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیش ہوا تو آپؐ نے اسے رد کر دیا تھا۔

"ليحلها لاختي، هل تحل لزوجك؟ قال لا" (سرداہ المحاکم والطبرانی)

قرآن حکیم سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح بغرض نکاح کرے:

"حتى تتكبر زوجا عترة"

نکاح بغرض طلاق یا بغرض تحیل، اسلام میں اس

نہا کیوں کوئی وجود نہیں ہے

یہ گنجائش نہیں پائی جاتی کہ ایسے نکاح سے، پہلے شوہر کیلئے بھی ایسی عورت حلال ہو جائے پھر قبل میں (مباشرت) تو دیے بھی حلال نہیں ہو سکتی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ "اگر ایسا کیا گیا تو میں سنگسار کر دوں گا"

"لا ادتی ابعلا ولا محلا لہ الا رجعتہما" (سرداہ ابن ابی شیبہ تحفۃ الاسود فی شرح ترمذی)

جو لوگ ایسے نکاح کو جائز اور قابل حلال تصور کرتے ہیں وہ دراصل شیعوں والے "نکاح شیعہ" کا دروازہ

کھول رہے ہیں۔۔۔ حالانکہ نکاح متعویض استیسا کے لئے حرام کر دیا گیا ہے۔

"وان الله قد حرم ذلك الى يوم القيامة" (سرداہ مسلم ص ۴۷)

ہمارے نزدیک ایسا حلالہ شرعاً حرام اور اس

سے ایسی عورت پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں ہو جاتی۔

بے نمازی، نمازی مرو کے لئے۔

جو لوگ تارک نماز کو حقیقتہً کافر تصور کرتے ہیں ان کے

حساب سے تو ایسا نکاح ہو نہیں سکتا اور جن حضرات کے نزدیک تارک نماز کو بہت بڑا مجرم ہے، تاہم اسے



کافر تصور نہیں کرتے، ان کے نزدیک ایسا نکاح ہو سکتا ہے مگر ایسا نکاح مناسب نہیں سمجھا جا سکتا۔  
 راقم الحروف کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ تارک نماز اگر مکر نماز نہیں ہے تو وہ گواہ عظیم گناہ کا مرتکب  
 ہے اور شرعی حد کے قابل ہے تاہم کافر نہیں ہے۔ ہاں بہت سے ائمہ صحابہ تابعین اور محدثین کے  
 نزدیک تارک نماز کافر ہو جاتا ہے۔ اس لئے اولیٰ یہی ہے کہ ایسی عورت یا ایسے بے نماز مرد سے دوسرے  
 نمازی کے نکاح سے پرہیز کیا جائے کیونکہ دلائل کفر کا مطالعہ کرتے ہوئے قلب و نگاہ میں ایک بھوچال سا  
 محسوس ہونے لگتا ہے۔ واللہ اعلم

### ۳۔ جہراً بسواً اللہ پڑھنا

گواہی اور پست آواز کے ساتھ بسم اللہ پڑھنا دونوں  
 ثابت ہیں۔ تاہم پڑھنے کی روایتیں زیادہ رائج ہیں۔ اس تعارض کا صحیح حل یہ ہے کہ کبھی کبھی جہراً بھی پڑھ لی  
 جائے یا زیادہ عدم چکر کو معمول بنایا جائے۔

### ۴۔ غیر عربی میں خطبہ

خطبہ کوئی تعویذ یا منتر اور تملذات کا نام نہیں ہے۔ بلکہ اس سے غرض تذکیر  
 اور موعظت بھی ہے۔

"کانت للنبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبات یجلس بینہما یقرء

القرآن ویذکر للناس" (مسلم ص ۲۸۳)

اور یہ بھی ممکن ہے کہ سامعین کی زبان میں خطبہ دیا جائے ورنہ وعظ و نصیحت کی باتیں بھیض کے  
 آگے مڑ لی جمانے والی بات بن جائے گی۔

### ۵۔ نماز میں ہاتھ باندھنا

زیر ناف ہاتھ باندھنے والی ایک بھی صحیح اور مرفوع روایت ثابت نہیں  
 ہے اور جو پیش کی جاتی ہے اس کی تردید خود علمائے احناف نے کر دی ہے اور جس کتاب کا سہارا دیا جا رہا ہے  
 وہ بھی اس وقت ہمارے سامنے ہے اس میں وہ روایت نہیں ہے جس کا ابن قطلوبغا نے ذکر کیا ہے علامہ  
 سندھی کا کہنا ہے کہ کاتب سے سہو ہوا ہے کہ نسخی کلمات جو نیچے درج تھے غلطی سے نقل ہو گئی ہے۔ یہی  
 وجہ ہے کہ جہاں یہ روایت ہے وہاں روایت نسخی غائب ہے اور جہاں نسخی والی ہدایت ملتی ہے۔ وہاں  
 وہ حدیث مرفوعہ جس سے زیر ناف ہاتھ باندھنا ثابت ہوتا ہے وہ غائب ہے۔ سینہ پر ہاتھ باندھنے والی  
 روایت یہ ہے :

”عن وائل بن حجر قال صلیت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فوضع یدہ الیمنی علی یدہ الیسری علی صدرہ“ (رواہ ابن خزیمہ ص ۱۲۳ طبع قدوسیہ لاہور)  
 حضرت وائل فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تھی آپ نے داہنا ہاتھ، بائیں ہاتھ پر رکھ کر اپنے سینہ پر باندھا تھا۔

قبیصہ بن جہلب اپنے والد سے اور طائس اپنے والد سے بھی یہی بات بیان کرتے ہیں کہ سینہ پر ہاتھ باندھے تھے۔ اس سے یہ روایت قابل احتجاج ہو گئی ہے۔ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے والی روایت کی ہیئت ہی ایسی ہے جو اس امر کی دلیل ہے کہ یہ ہاتھ باندھنے والی بات نہیں ہے۔ ویسے بھی ہاتھ باندھنے ہوں تو اتنے نیچے جا کر کوئی بھی نہیں باندھتا۔ ہاتھ تقریباً سینہ پر ہی ہوتے ہیں۔

اس کے علاوہ جو زبیر ناف کے قائل ہیں وہ عورتوں کے لیے خود سینہ پر ہاتھ باندھنے کے قائل ہیں گویا کہ آدھا جگڑا تو انہوں نے خود ہی ختم کر دیا ہے بہر حال اس امتیاز کے لئے ان کے پاس دلیل بھی کوئی نہیں ہے۔ صحیح یہی ہے کہ ہاتھ سینہ پر باندھنے چاہئیں۔ زبیر ناف والی بات صحیحی نہیں بلکہ آنکھوں کو بھی یہ ہیئت خاصی اذیتی لگتی ہے اور ہاتھ باندھنے کا جو دستور ہے یہ شکل اس انسانی تعامل کے بھی خلاف ہے۔

## ۶۔ قرأت فاتحہ خلف الامام

قرآن مجید میں ہے چپ چاپ کان لگا کر قرآن سنا کر دے۔

”اذا قرأ القرآن فاستمعوا له وانصتوا“ — یہ آیت مکی ہے۔

یہ اس وقت بات کہی گئی جب کفار مکہ نے یہ پروگرام بنالیا تھا کہ جب وہ قرآن پڑھیں تو شور مچا کر دے۔ اس کا ناز سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مدینہ منورہ میں حضورؐ نے صبح کی نماز پڑھائی، کچھ صحابہؓ نے پیچھے سے قرآن پڑھا۔ حضورؐ نے سلام پھیر کر پوچھا تو انہوں نے کہا ”اے ہم نے پڑھا ہے سب آپ نے فرمایا سورۃ فاتحہ کے سوا کچھ پڑھا کر دیکھو“ اس کے بغیر نماز ہوتی نہیں (ترمذی) امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ روایت قابل احتجاج ہے۔ احادیث میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کا ذکر آیا ہے لیکن منع کرنے والی ایک بھی روایت میں سورۃ فاتحہ کی ممانعت کا صراحت ذکر نہیں آیا۔ اس سے محدثین نے کہا ہے کہ جن روایات میں قرأت کرنے کی ممانعت آئی ہے اس سے مراد سورۃ فاتحہ کے بعد کی سورتوں کی قرأت ہے۔ ورنہ نبیؐ کے قول اور عمل میں تضاد پیدا ہو جائے گا۔ یہ اصول ہے کہ ایک بات صراحت آئی ہو اور دوسری اجتہاد و بیان کی جاتی ہو تو وہاں قیاس کو چھوڑ کر صراحت والی روایت پر عمل کیا جائے گا۔ یہاں بھی ایسا معاملہ درپیش ہے۔ امام کے پیچھے صریحاً سورۃ فاتحہ پڑھنے کا ذکر صراحت کے ساتھ آیا ہے اور جو مخالف روایتیں جاتی ہیں وہ محدثین کے نزدیک

وہ ضعیف ہے اگر مان بھی لی جائے تو اس میں فاتحہ کے نہ پڑھنے کا ذکر نہیں ہے بلکہ عام بات کبھی کہی ہے۔  
اس لیے اس سے بھی سمجھا جائے گا کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ تو پڑھ لی جائے۔ کیونکہ اس کی صراحت آگئی  
ہے۔ سورۃ فاتحہ کے بعد اور کوئی قرأت مقتدی نہ کرے۔ تاکہ دونوں حدیثوں پر عمل ہو جائے۔

### نماز وتر

نماز پورے کو تو ہو جائے گی تاہم سنون طریقہ یہ ہے کہ دو رکعت الگ پڑھ کر وتر کے  
ایک رکعت ادا کی جائے یا تین ایک ساتھ پڑھ لی ہوں تو پھر درمیان میں الغیات نہ پڑھی جائے :  
"صلاة الليل مثنى مثنى فاذا اتممت احدكم الصبح صلى ركعتين واحدة  
توتر له ما قد صلى" (بخاری مسلم - شكوة) لا قوت وراشد لا قوت وراشد  
المغرب (تحفة الاحوذی) ان عمرا وتر بثلاث لم يسلم الا في اخرهن ؛  
اقيام الليل) عن عائشة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم  
يوتر بثلاث لا يقعد الا في اخرهن وهذا وتر امير المؤمنين و  
في رواية لا يسلم في الركعتين من الوتر (تحفة الاحوذی شرح ترمذی)

## تصنیفات للامام ابن قیم

اعلام الموقعین، مدارج السالکین، حادی الدرداح الی بلاد الافراح، اغاثۃ اللفغان، طریق  
البحرین، دباب العاذمین، تحفۃ الودود فی احکام المولود الحجاب الکافی لمن سأل عن الدوائر الثانی —  
مجمع الزوائد، سبل السلام، الترغیب والترہیب، نیل الاوطار، تفسیر در مشور، تفسیر جامع البیان  
تفسیر فتح القدیر، ابن کثیر، الخازن مع الدارک، الطبقات الکبری لابن سعد، الملل والنحل،  
الدر المختار، المعلی لابن عزم، تحقیق احمد شاکر، المدین الغامس، کشف الغطاء عن کتاب الموطا للنباب  
صدیق الحصن خاں، نور الہدایہ شرح وقایہ لوجید الزمان، شرح المنار المسی بنور الانوار سیرت  
النبوی لابن ہشام، مظاہر حق شرح شکوۃ اردو۔

آپ اپنی کوئی کتاب پہنچنا چاہیں تو ہمیں یاد فرمائیں۔

عبد الرحمان عاجز۔ رحمنیہ دارالکتب امین پور بازار فیصل آباد فون 32916

دلائل ابوالسلام محمد صدیق (سرگودھا)

تقدیم

# محدث روپڑی کا ایک علمی و تحقیقی فتویٰ

ادب

مولانا عزیز زبیدی کا تعاقب

قبر میں سوال "ماہذا البرجل" کی کیفیت کیا ہے اس عنوان پر محدث روپڑی نے ایک علمی اور تحقیقی فتویٰ لکھا ہے جو اخبار تنظیم المحدث "میں چھپا۔ پھر فتاویٰ المحدث جلد دوم کے صفحات کی نریت بنا۔ مولانا عزیز زبیدی نے حضرت محدث روپڑی کی اس تحقیق پر ۲ اکتوبر ۱۹۶۹ء کے اخبار المحدث میں تعاقب کیا ہے۔ اختلاف رائے کا اصل مقصد غلط فہمی کا انزالہ اور صحیح صورت حال کا تعین ہو تو ایسی تنقید اور اختلاف رائے نہ صرف قابلِ برداشت بلکہ ایک مستحسن اقدام ہے اس کی ضرورت سے کسی کو انکار نہیں مگر اس قسم کی تنقید میں تین باتوں کا ہونا ضروری ہے :

۱۔ دلائل آمیز تنقید و تعاقب۔ ۲۱، تحقیق آمیز الفاظ سے اجتناب ۳۱، حق قبول کرنے کے لئے طبیعت کو آمادہ کرنا۔

اگر تعاقب و تنقید کا مقصد تلاشِ حق نہیں صرف دوسرے کو نیچا دکھانا اور اپنے علم و فضل کی برتری ظاہر کرنا ہے تو یہ خیر کا راستہ نہیں ہے اور نہ اس سے حق بات ہاتھ آتی ہے۔ یہ ماننا کہ مولانا عزیز زبیدی علمی حلقوں میں ایک جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ مدیر اہل حدیث نے بھی تعاقب کے شروع میں مولانا کو صرف کے علم و فضل کا اعتراف کیا ہے۔

اپنے تو ایک طرف رہے مگر انہوں نے بھی تسلیم کیا ہے کہ حضرت محدث روپڑی کا علم مضبوط ان کی تحقیق اہل علم کے لیے ایک روشنی کا دینا رہے بایں وصف ان کے اجتہادی مسائل کو

حرف آخر کا درجہ نہیں دیا جاسکتا بلکہ ان میں جہاں صواب کا احتمال ہے وہاں خطا کا بھی امکان ہے۔ ہر صاحب بصیرت مسائل جنہاں یہ میں اختلاف رائے کا حق رکھتا ہے

اس مسئلہ پر تغائب کرتے ہوئے مولانا زبیدی نے محدث رد پڑی کے بارے میں جو الفاظ استعمال کیے ہیں وہ حسب ذیل ہیں :-

”دوسرا گروہ جو کہتا ہے کہ درمیان میں سے پردہ اٹھا دیا جائے آج کل اس گروہ کی وکالت ہے زیادہ حضرت علامہ حافظ عبد اللہ رد پڑی رحمۃ اللہ علیہ نے کی۔

بجسے پڑھ کر مجھے خاصی

کوفت ہوئی ہے

”حقیقی معنی میں استعمال“ اس عنوان کے تحت مولانا زبیدی فرماتے ہیں :-

”یہ بات بالکل بجا ہے اور ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ اسم اشارہ قریب کے حقیقی معنی میں استعمال کی اولین صورت یہی ہے کہ وہ محسوس شے ہو اور سامنے ہو لیکن ہم یہ بات ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں کہ عادتاً اور حقیقی معنی میں استعمال کی کوئی شکل بن سکے تو ظرف عادت کی مدد سے جاکر اسکے شادالہ کے موجود اور شہود کرنے کی کوشش بھی ضرور کی جائے۔ نحوی اور معانی بیان کے اس مسئلہ کو محض اپنے مفروضات کی بنیاد پر اتنی دودھ سے جاکر چٹختی دینا کہ اب یہ گرامر کا مسئلہ نہ رہے عالم ارجح کی کوئی سرگزشت بن جائے۔ لفظ و خصائص سے بے خبری کی ایک درد فرساداتان ہے۔“

مولانا زبیدی صاحب کی مذکورہ بالا تحریر اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ محدث رد پڑی کی تحقیق ایک مفروضہ ہے اور اس سے گرامر کا تقدس مجروح ہوتا ہے اور یہ عالم ارجح کی سرگزشت نہیں۔ اور ان کی تحقیق کا تقاضا ہے کہ محدث رد پڑی لفظ و خصائص سے بے خبر ہیں۔

ہمارا مقصد تغائب کا جواب دینا نہیں اس کا جواب تو حضرت محدث رد پڑی کا خود وہ مقالہ ہے جو انہوں نے جوہر میں سوال جواب کی کیفیت کے بارے میں تحریر فرمایا ہے۔ ہم تو صرف یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ محدث رد پڑی کی یہ تحقیق مفروضہ کس طرح ہے؟ اور ان سے گرامر کے قواعد کی خلاف ورزی کس طرح ہوتی ہے؟



قبر میں سوال و جواب عالم ارواح کی سرگزشت کیوں نہیں؟ اور کیا محدث روپڑی الفاظ و خصائص کے بے خبر ہیں؟ مولانا زبیدی نے خود تسلیم کیا ہے کہ اسم اشارہ قریب کے حقیقی معنی میں استعمال کی اولین صورت یہی ہے کہ وہ محسوس شے ہو اور سامنے ہو حضرت محدث روپڑی نے "ہذا" کے اس حقیقی معنی کی رو سے اگر اس کو جرح و ترجیح دی ہے کہ میت کے اور آنحضرت کے درمیان سے حجاب اٹھ جاتا ہے اور میت کو آپ کا وجود نظر آنے لگتا ہے تو پھر "ہذا" کے ساتھ سوال جوتا ہے۔ "ہذا" کے اس حقیقی معنی لینے سے غور، معانی بیان کے کس قاعدہ کی ان سے بے حرمتی ہوئی ہے۔ اگر غور، معانی بیان سے بھی یہی کہا ہے کہ جہاں حقیقی معنی بن سکتا ہو مجازی معنی نہیں لینا چاہیے۔ عالم برزخ میں "ہذا" کا حقیقی معنی مراد لینے سے کون سی شے مانع ہے؟

جب کہ تمام حالات برزخی اور فوقی عادت ہیں ان کا تعلق عالم ارواح سے ہے۔ وہاں ہمارا علم کام کرتا ہے نہ ادراک۔ اندر میں حالات تغاب کے حسب ذیل الفاظ متقیص کے ماسوا اور کوئی حیثیت نہیں رکھتے کہ "مفروضات کی بنا پر اتنی دور سے جا کر پہنچنا دینا کہ اب یہ اگر کاسسکہ نہ رہے عالم ارواح کی کوئی سرگزشت بن جائے لفظ و خصائص سے بے خبری کی ایک روح فساد داستان ہے"

ہم اس بحث کو طول دینا نہیں چاہتے البتہ محدث روپڑی کا وہ فتویٰ نقل کیے دیتے ہیں جو انہوں نے قبر میں سوال و جواب کی کیفیت کے بارہ میں تحریر کیا ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ محدث روپڑی نے اس مسئلہ کو بیان کرنے میں کون سی پادریاں لیں ہیں یعنی سپر پھیروں کی جتنی کوئی ان کا خاندان مفروضہ ہے اور انہوں نے گلاسٹر کے کسی مسئلہ کو مجرد کیا ہے اور نہ وہ لفظ و خصائص سے بے خبر ہیں بلکہ ان کا یہ فتویٰ علم و تحقیق کا مجموعہ ہے اور اس سے یہ بھی ظاہر ہو گا کہ مولانا زبیدی نے تغاب کیا ہے وہ زیادہ تر نامناسب جذباتی الفاظ کا پلندہ ہے جس میں تنقیح مسئلہ کی بجائے متقیص کا پہلو زیادہ نمایاں نظر آتا ہے کبریت کلمتے تخرج منے اخو اھمہ اعادنا اللہ معہما۔

محدث روپڑی کا پورا مضمون نقل کرنے سے پہلے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے بعض کا قول ہے کہ "ہذا" اسم اشارہ کا اشارہ الیہ ذات مہیكل و صاف ہیں اور بعض کا قول ہے کہ اشارہ الیہ ذات ہے۔ میت ادا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے درمیان سے حجاب دور ہو جاتا ہے اور آپ کا وجود باوجود میت کو قریب نظر آنے لگتا ہے اور پھر اس سے "ما هذا الرجل" کہہ کر سوال کیا جاتا ہے۔ مولانا زبیدی صاحب کا نظریہ بھی یہی ہے جو علماء کے پہلے گروہ کے ہے کہ "ہذا" کا اشارہ الیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف ہیں ہم اس نظریہ کے مخالف نہیں ہیں۔ سوال صرف یہ ہے کہ دوسرے گروہ کے نظریہ اور تحقیق کی تردید میں مولانا زبیدی نے جو دلائل بیان

کیئے ہیں۔ وہ بات حکمت سے بھی زیادہ کمزور ہیں مثلاً انہوں نے بیان کیا ہے کہ حجاب کا در بدر ہونا عادت اور شاہدہ کے خلاف ہے لہذا اس جگہ "ہذا" کا مجازی معنی مراد ہو گا۔ اگر یہ استدلال درست ہے تو پھر ان احادیث کا مطلب کیا ہو گا جن میں ہے کہ مومن کی قبر حد بصر تک فراخ ہو جاتی ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ مومن ہاتھ کھل جاتی ہے اور اس کے لیے جنت کی طرف دروازہ کھل جاتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ یہ سب باتیں عادت اور مشاہدہ کے خلاف ہیں۔ یاس اوصاف ان کے ماننے بغیر کسی مومن کو چارہ نہیں مذکورہ امور کی حقیقت کو مانتے ہوئے "ہذا" کے حقیقی معنی کا انکار اس بنا پر کرنا کہ عادت اور مشاہدہ اس کی اجازت نہیں دیتے۔ اہل ایمان کے نزدیک اس کی کوئی وقعت نہیں۔

مولانا زبیدی نے مثال کے طور پر حضرت حسنؓ اور زینبؓ کے بارہ میں حضرت معقلؓ اور حضرت حادیرؓ کا جو قول بیان کیا ہے اس کا تعلق دنیا سے ہے قبر کے حالات دنیا کے واقعات سے مختلف ہیں۔

اب ہم حضرت محدث روپڑیؒ کا اصل مضمون پورے کا پورا نقل کیے دیتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ مولانا زبیدی کی تحقیق کس حد تک قابل اعتماد ہے اور ان کے بیان کردہ دلائل میں کس قدر جان ہے۔ (جاری ہے)

حسب حجت اللہ علیہ  
حضرت العلامة حافظ عبد اللہ صاحب روپڑیؒ

کے علم و تحقیق کا اگر نقد و مجموعہ

فتاویٰ اہلحدیث

تین جلدوں میں مکمل دستیاب ہے

قیمت مکمل مجلد ————— ۸۴/- روپے

ادارہ احیاء السنۃ النبویہ

ڈی۔ بلاک۔ سٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا

تابع دسیہ  
ظلالِ آشامی

بنام رسالت کی

السلام علیکم وعلیٰ آئینکم

حدیث اور سیرت کی کتابوں میں بیسیوں ایسی خواتین کے نام ملتے ہیں جن کا شمار عظیم المرتبت صحابیات میں ہوتا ہے لیکن ان کے حالات زندگی بہت کم معلوم ہیں یہاں ہم ایسی بارہ صحابیات کے حالات درج کر رہے ہیں جن کا ذکر نامور محدثین کرتے ہیں۔

## حضرت ام ایوبؓ انصاریہؓ



اسل نام معلوم نہیں اپنی کنیت "ام ایوب" سے مشہور ہیں۔ میزبان رسولؐ حضرت ابوالیوب انصاریؓ کی اہلیہ تھیں۔ ہجرت نبویؐ سے قبل اپنے شوہر کے ساتھ ہی اسلام قبول کیا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو سات ماہ تک حضرت ابوالیوبؓ کے گھر میں ہی قیام فرمایا۔ اس دوران میں حضرت ام ایوبؓ ہی حضورؐ کے کھانا پکانا دیکھ کر تھیں۔ ابتدا میں حضورؐ نے حضرت ابوالیوبؓ کے مکان کی زبیر میں منزل میں قیام فرمایا۔ حضرت ابوالیوبؓ اور ام ایوبؓ اگرچہ حضورؐ کی اپنی خواہش کے مطابق بالا خانہ میں منتقل ہو گئے تھے مگر وہ وہاں عیاں پوری کو ہر وقت یہ خیال مضطرب رکھتا تھا کہ وہ تو بالائی منزل میں مقیم ہیں اور مہبطِ وحی و رات بچلی منزل میں۔ ابن ہشام کا بیان ہے کہ ایک روز بالا خانہ پر پانی سے بھرا ہوا برتن پھوٹ گیا، میاں پوری اس خیال سے بے قرار ہو گئے کہ پانی بہہ کر نیچے جائے گا اور حضورؐ کو تکلیف ہوگی۔ گھر میں اڑھائی کا ایک ہی لحاف تھا۔ انہوں نے فی الفور یہ لحاف گھسیٹ کر پانی پر ڈال دیا تاکہ بہتا ہوا پانی لحاف میں جذب ہو جائے۔ جب پانی کے نیچے بہنے کا امکان نہ رہا تو میاں پوری نے اطمینان کا سانس لیا۔

ایک دن اپنے بالائی منزل میں مقیم ہونے کا احساس اس قدر شدت اختیار کر گیا کہ دونوں میاں پوری چھت کے ایک کونے میں سکر کر بیٹھ گئے اور سادھی رات اسی حالت میں جاگ کر گزار دی صبح ہوئی تو حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی "یا رسول اللہؐ ہم ساری چھت کے ایک کونے میں بیٹھ کر جاگتے رہے" حضورؐ نے سبب دریافت فرمایا تو عرض کیا "ہمارے ماں باپ آپ پر فرمان، ہر لحظہ یہ خیال سوساں درج

رہتا ہے کہ آپ توفیر میں منزل میں تشریف رکھتے ہیں اور ہم بالا خانہ میں مقیم ہیں۔ یا رسول اللہ! آپ بالا خانہ پر تشریف لے چلیے حضور کے غلام آپ کے قدموں کے نیچے رہنا ہی باعث سعادت ہے۔  
سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست قبول فرمائی اور حضرت ابو ایوبؓ اور حضرت ام ایوبؓ نے بکمال مسرت نچلی منزل میں اقامت اختیار کر لی۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خانہ اقدس میں منتقل ہو جانے کے بعد بھی کبھی کبھی حضرت ابو ایوبؓ کے گھر تشریف لے جاتے تھے۔ دونوں میاں بیوی حضورؐ کا پر تپا کب خیر مقدم کرتے تھے اور جو کچھ میسر ہوتا تھا ان کی خدمت میں پیش کر دیتے۔ ایک دن حضورؐ بھوک کی حالت میں خانہ اقدس سے باہر نکلے۔ راستے میں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ مل گئے۔ سرور کونینؐ ان دونوں کو ساتھ لے کر حضرت ابو ایوبؓ کے گھر رونق افروز ہوئے۔ اس وقت حضرت ابو ایوبؓ اپنے مکان سے متصل کچھ دوں کے باغ میں تھے اور گھر میں کھانے کی کوئی چیز موجود نہ تھی۔ حضرت ام ایوبؓ نے حضورؐ کو بلا دیکھا کہ حضورؐ نے پوچھا: ابو ایوبؓ کہاں ہے؟ حضرت ابو ایوبؓ نے حضورؐ کی آواز سنی تو کچھ درد کا ایک کچھ آواز کر دیا کہ وہاں سے ہوئے گھر آئے اور یہ گچھا مہمانانِ عزیز کی خدمت میں پیش کیا اس کے ساتھ ہی فوراً ایک بکری ذبح کی۔ حضرت ام ایوبؓ نے آدھے گوشت کا سالن پکایا آدھے کے کباب بنائے اور حضورؐ کی خدمت میں کھانا پیش کیا۔ حضورؐ نے ایک روٹی پر کچھ گوشت رکھ کر فرمایا: "اے فاطمہ! کو بیج دو اس پر کئی دن کا فائدہ ہے" حضرت ابو ایوبؓ نے تعمیل ارشاد کی اور حضورؐ نے اپنے رفقاء کرام کے ساتھ کھانا کھایا۔ قیاس یہ ہے کہ حضرت ام ایوبؓ نے کئی اور موقعوں پر بھی اسی طرح حضورؐ کی خدمت کی ہوگی۔

حضرت ام ایوبؓ سے چند احادیث بھی مروی ہیں ان کے لفظوں سے حضرت ابو ایوبؓ کی جواد لادہ ہوئی ان میں سے ایوب، خالد، محمد، تین بیٹوں اور ایک بیٹی عمرہ کے نام معلوم ہیں۔

حضرت ام ایوبؓ کے سالِ وفات کے بارے میں کتب سیر خاموش ہیں۔

## حضرت ام سلیمانؓ



نام و نسب معلوم نہیں ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ وہ غزوہ احد میں حضرت ام المومنین عائشہؓ اور کچھ دوسری خواتین کے ساتھ مشک بھر بھرنے والی تھیں حضرت عمر فاروقؓ کو ان کی یہ خدمت مدتِ عمر یاد رہی اپنے عہدِ خلافت میں ایک مرتبہ انہوں نے مدینہ کی خواتین میں چادریں تقسیم فرمائیں۔ ایک عمدہ چادر پنج ٹوکسیا نے کہا کہ آپ یہ چادر اپنی بی بی ام کلثومؓ کو دے دیں۔ فرمایا: "ام سلیمانؓ چادر کی زیادہ مستحق ہیں، یہ انصار کی ان عورتوں میں سے ہیں جنہوں نے حضورؐ سے بیعت کی تھی وہ غزوہ احد میں مشک بھر بھر کر پانی لاتی تھیں۔" ایک روایت کے مطابق حضرت زینبؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنات پانی تو ان کے غسل

کے موقع پر چند دوسری خواتین کے ساتھ وہ بھی حاضر تھیں۔ اس سے زیادہ حالات کسی کتاب میں نہیں ملتے۔

## حضرت کے بٹہ بنت رافع



جلیل القدر صحابی صدیق انصاری سید الاولوس حضرت سعد بن معاذ کی والدہ تھیں والد کا نام رافع بن عبید تھا اور ان کا تعلق خاندان خدرہ سے تھا اہل سیر کا ان کے اسلام پر اتفاق ہے یہ شرف انہیں ہجرت نبوی سے قبل حاصل ہوا۔ بڑی باوقار خاتون تھیں ادب و شوق شاعری میں بھی درک رکھتی تھیں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رشتہ بھودت قائم تھا غزوہ احزاب میں بنو حارثہ کی گروہی میں ان کے پاس بیٹھی تھیں کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ پڑھتے ہوئے ان کے سامنے سے گزرے حضرت کبیرؓ نے پکار کر کہا بیٹھے دوڑ کر جاتو نے بڑی دیر کر دی اس غزوہ میں حضرت سعدؓ کو کامیابی نہ مل سکی کی وجہ چند دن بعد بتر شہادت پر ناکر ہوئے حضرت کبیرؓ کو اپنے سعادت مند بیٹے کی وفات کا سخت ہوا اور انہوں نے ان کی یاد میں رور و کر مہبت سے ماتی اشعار پڑھے جن میں حضرت سعدؓ کی بے انتہا تعریف کی حضورؐ نے یہ اشعار سن کر فرمایا "جنتی روئے والی عورتیں ہیں جھوٹ بولتی ہیں" لیکن ام سعدؓ کہتی ہیں "حضرت کبیرؓ حضرت سعدؓ کی وفات کے بعد بہت عرصہ تک زندہ رہیں۔"

## حضرت خالدہ بنت حارث



جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہؓ بن سلام کی چھوٹی چھٹی تھیں پھر وہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں نزول اجلال فرمایا تو اس وقت حضرت عبداللہؓ بن سلام اپنے باغ میں تھے ان کی چھوٹی خالہ بنت حارث بھی دیں تھیں کسی نے باغ میں جا کر حضرت عبداللہؓ بن سلام کو حضورؐ کی تشریف فرمائی کی اطلاع دی تو وہ فطر عقیدت سے بے خود ہو گئے اور بے اختیار اللہ اکبر کہہ اٹھے اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ تورات کے بہت بڑے عالم تھے اور اس میں نبی آخر الزمانؐ کی علامات پڑھ کر آپؐ کے نادیدہ عاشق بن گئے تھے ان کی مسرت اور بے تابی کو دیکھ کر خالدہؓ بڑی حیران ہوئیں اور کہنے لگیں "حصین (حضرت عبداللہؓ بن سلام کا اصل نام) ان صاحب کے آنے سے ہمیں اتنی خوش ہوئی ہے کہ شاید موسیٰ بن عمرانؑ بھی تشریف لاتے تو اتنے خوش نہ ہوتے؟" حضرت عبداللہؓ بن سلام نے کہا "چھوٹی جان خدا کی قسم یہ بھی موسیٰ علیہ السلام کے جمال ہیں اور اس بنی کی تبلیغ کے لیے دنیا میں تشریف لائے جس کے موسیٰ علیہ السلام مبلغ تھے۔"

حضرت خالدہؓ نے پوچھا "برادر زادے کیا واقعی یہ وہی نبی ہیں جن کی تورات اور دوسرے آسمانی صحائف میں خبر دی گئی ہے؟" حضرت عبداللہؓ بن سلام نے جواب دیا "بے شک یہ وہی نبی ہیں" حضرت خالدہؓ نے کہا "پھر تو ہماری بڑی خوش بختی ہے کہ وہ ہمارے شہر میں تشریف لائے"

اس سوال و جواب کے بعد حضرت عبداللہؓ نے باگ و نبوت کا قصد کیا۔ حضرت خالدہؓ بھی ان کے



پچھنے گئیں اور مشرف براسلام ہو کر لوہیں چہر اپنے گھر پہنچ کر سب اہل خانہ کو سلام کی تمغیں کی چٹنا بچہ گھر کے سب چھوٹے بڑے سعادت اند فخر اسلام ہو گئے۔

بعض روایتوں میں ان کو عبد اللہ بن سلام کی جچی بتایا گیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب!

## حضرت امیر مجید رضی اللہ عنہما



اوس کے خاندان عبد الاشہل سے تھیں اور حضرت یزید بن سکن انصاری کی صاحبزادی تھیں اصل نام سواختا مشہور صحابیہ حضرت اسماء بنت زید انصاریہ ان کی بہن تھیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے۔

سواخت بنت یزید بن السکن بن رافع بن امرأ القیس بن زید بن عبد الاشہل بن حشم بن حارث بن خزيمة بن  
عبد بن مالک بن اوس۔ ہجرت نبوی کے بعد مشرف اسلام سے بہرہ ور ہوئیں۔ نہایت راج العقیدہ مسلمان تھیں  
ان کو ہجرت رضوان میں شریک ہونے کا فخر حاصل ہے۔ اس سے زیادہ حالات معلوم نہیں ہیں۔

## حضرت عمرۃ بنت رواحہ



ان کا تعلق قبیلہ خزرج سے تھا۔ سلسلہ نسب یہ ہے۔

عمرۃ بنت رواحہ بن ثعلبہ بن امرأ القیس بن عمرو بن امرأ القیس الاکبر بن مالک الاعز بن ثعلبہ بن کعب بن

خزيمة بن حارث بن خزيمة بن کعب بن

مشہور صحابی حضرت عبد اللہ بن رواحہ شاعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمیشہ تھیں ان کا نکاح جلیل القدر  
صحابی حضرت بشیر بن سعد انصاری سے ہوا۔ حضرت عثمان بن بشیر بھی مشہور صحابی ہیں حضرت عمرؓ کو اپنے فرزند نعمان  
سے اس قدر محبت تھی کہ وہ اپنی تمام جائیداد انہیں کے نام منتقل کر دینا چاہتی تھیں۔ چنانچہ اپنے شوہر بشیرؓ کو  
اس بات پر آمادہ کر دیا اور گواہی کے لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو منتخب کیا۔ حضرت بشیرؓ بن سعد خطہ نعمان  
کو ساتھ لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ گواہ رہیں کہ میں اپنی فلاں زمین (جائیداد)  
اس بڑے کو دیتا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا اُس کے دو سر سجائیوں کو بھی حصہ دیا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں، ارشاد  
فرمایا تو پھر میں ظلم پر گواہی نہیں دیتا۔ اس پر وہ خاموشی سے گھروٹ گئے اور حضرت عمرؓ نے ارشاد نبویؐ کے  
ماننے تسلیم کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمرؓ پر بے حد شفقت فرماتے تھے ایک دفعہ آپ کے  
باس طائف سے انگوڑائے اتفاق سے حضرت نعمانؓ بھی بارگاہ رسالت میں حاضر تھے اس وقت ان کی عمر چھ  
سات برس کے لگ بھگ تھی حضورؐ نے انہیں دد خوشے مرحمت فرمائے کہ ایک تمہارا اور ایک تمہاری والدہ  
(عمرۃ کا) نعمانؓ کو دونوں خوشے راستے میں چٹ کر گئے اور ماں کو بتایا تک نہیں چند دن بعد پھر حضورؐ کی خدمت میں  
حاضر ہوئے تو آپ نے پوچھا نعمانؓ وہ انگوڑا اپنی ماں کو دے دیئے تھے؟ انہوں نے کہا نہیں حضورؐ نے

پیارے ان کے کان ایٹھے اور فرمایا "یا عذر" کیوں مکارہ حضرت عمرؓ کے اس سے زیادہ حالات معلوم نہیں ہیں۔

## حضرت ام رفیدہؓ یا رفیدہؓ اسلمیہؓ



ان کا نام بعض روایتوں میں ام رفیدہؓ اور بعض میں رفیدہؓ آیا ہے۔ طب اور جراحی میں ہمارے رکھتی تھیں اور زخمیوں کا علاج معالجہ کیا کرتی تھیں۔ علامہ ابن سعد کا بیان ہے کہ ان کا خیرہ جس میں جراحی اور مریم ٹی کا سامان تھا مسجد نبویؐ کے پاس تھا، ایک روایت میں ہے کہ بعض موقعوں پر حضورؐ نے انہیں مسجد نبویؐ کے اندر خیرہ لگانے کی اجازت دی تھی۔ سیدالاول حضرت سعد بن معاذؓ غزوہ احزاب میں زخمی ہوئے تو حضرت ام رفیدہؓ ہی نے ان کا علاج کیا تھا۔ ان کے یہی حالات معلوم ہیں۔

## زوجہ حبیبہؓ



نام و نسب وغیرہ سب تاریکی میں ہیں صرف اتنا معلوم ہے کہ انصار یہ تھیں اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جانشین حضرت حبیبہ انصاریؓ کی اہلیہ تھیں ان کا نکاح عجیب حالات میں حضرت حبیبہؓ سے ہوا۔ حبیبہؓ کا چہرہ مہر و کچھ واجبی مانتھا اور قد بھی پست تھا اس لیے کوئی انہیں اپنی لڑکی دینے پر رضامند نہیں ہوتا تھا آخر حضورؐ نے انصار کے ایک خاندان میں ان کی نسبت ٹھہرائی، لڑکی کے والدین رشتہ دینے پر متائل ہوئے تو سعادت مند لڑکی نے ان کے سامنے اللہ کا یہ حکم پیش کیا کہ "جب اللہ اور رسولؐ کسی بات کا فیصلہ کر دیں تو کسی مسلمان کو اس میں چون و چرا کرنے کی گنجائش نہیں"۔ پھر کہا کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی ہے وہی میری بھی مرضی ہے اور میں حبیبہؓ سے شادی کرنے پر بالکل رضی ہوں۔ "رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپؐ بے حد خوش ہوئے اور دعا کی "اے الہی اس لڑکی پر خیر کا دیا بہا دے اور اس کی زندگی کو خوش گذرے۔"

اس کے بعد آپؐ نے حبیبہؓ سے فرمایا کہ میں فلاں لڑکی سے تمہارا نکاح کرتا ہوں "انہوں نے عرض کیا، "یا رسول اللہ! آپ مجھے کھوٹا پائیں گے۔" فرمایا "نہیں تم خدا کے نزدیک کھوٹے نہیں ہو" پھر آپؐ نے حضرت حبیبہؓ کا نکاح اس نیک بخت لڑکی سے کروایا بیان کیا جاتا ہے کہ حضورؐ کی دعا لایہ اثر ہو کہ ان کی خانگی زندگی نہایت بابرکت ثابت ہوئی حضرت حبیبہؓ نہایت اُسودہ حال ہو گئے اور ان کی نیک اہلیہ سے بڑھ کر کوئی عورت متمول اور شاہِ خرچ نہ تھی۔

## حضرت سلافہ بنت براء انصاریہؓ



حضرت کے خاندان سلمہ سے تھیں اور علیل القدر صحابی حضرت براء بن معرورؓ انصاریؓ کی صاحبزادی تھیں۔ حضرت ابو قتادہؓ انصاریؓ سے نکاح ہوا۔ ان کے صلب سے عین بیٹے عبداللہؓ و عبد

اور عبدالرحمان پیدا ہوئے۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی اور محبت تھی اور ان کی گھر پر زندگی نہایت خوشگوار تھی۔

## حضرت انس بن مالکؓ کی خدمت میں



ان کا تعلق غزوہ بدر کے خاندان عدی بن نجار سے تھا۔ نمازِ جماعت میں نھان اس کی زوجیت میں تھیں اس کے مرنے کے بعد مالک بن سنان خدی سے نکاح ہوا۔ ہجرتِ نبوی سے پہلے کا واقعہ ہے جو حضرت انسؓ کے بعد مدینہ کے گھر گھر میں اسلام پھیلنا تو مالک بن سنان اور انسؓ دونوں حلقہٴ نبویؐ سے ہو گئے۔ جلیل القدر صحابی حضرت ابوسعید خدریؓ بن مالک بن سنان حضرت انسؓ سے بطن سے تھے حضرت مالک بن سنان نے غزوہٴ احد میں مرغانہ وار لڑتے ہوئے شہادت پائی چونکہ انہوں نے کوئی جائیداد چھوڑی تھی، حضرت انسؓ اور ان کے بارہ سالہ فرزند حضرت ابوسعیدؓ سخت تنگ دستی میں مبتلا ہو گئے حضرت انسؓ نے ایک دن ابوسعیدؓ سے کہا کہ بیٹے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں آج انہوں نے فلاں شخص کو کچھ دیا ہے تم کو بھی کچھ نہ کچھ ضرور مرحمت فرمائیں گے۔ انہوں نے پوچھا "گھر میں کچھ ہے؟" ماں نے نفی میں جواب دیا تو سیدے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اس وقت حضورؐ خلیفہ دے رہے تھے کہ جو شخص تنگ دستی میں صبر کرے اللہ اس کو غنی کر دے گا۔ حضورؐ کا ارشاد سن کر حضرت ابوسعیدؓ نے دل میں کہا کہ میرے پاس ایک اونٹنی (یا قوتہ) موجود ہے اس لیے دستِ سوال دراز کر کے حضورؐ کو زحمت دینے کی کیا ضرورت ہے یہ سوچ کر خالی ہاتھ ماں کے پاس واپس آ گئے۔ ماں بیٹے کو اللہ تعالیٰ نے صبر کا پھل دیا کہ تھوڑے ہی عرصے میں ان کی عمرت خوش حالی سے بدل گئی اور وہ مال و دولت میں تمام انصار سے بڑھ گئے۔ اس سے زیادہ حالات معلوم نہیں ہیں۔

## حضرت ام ورقہ بنت نوفلؓ



اصل نام معلوم نہیں ہے باپ کا نام عبداللہ تھا اور جد اعلیٰ کا نوفل۔ چنانچہ انہیں ام ورقہ بنت عبداللہ بنت نوفل دونوں طرح پکارتے تھے۔ حافظ ابن حجرؒ نے "اصابہ" میں ان کا سلسلہ نسب اس طرح لکھا ہے:

ام ورقہ بنت عبداللہ بن حارث بن عویم بن نوفل۔ ہجرتِ نبوی کے بعد شرفِ اسلام اور حضورؐ کی بیعت سے بہرہ ور ہوئیں۔ اس کے بعد انہوں نے بڑے ذوق و شوق سے حضورؐ سے قرآن کی تعلیم حاصل کی۔ ابن ابی شیبہؒ لکھا ہے کہ انہوں نے پورا قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔ غزوہٴ بدر کی تیاری ہونے لگی تو انہوں نے حضورؐ سے درخواست کی کہ مجھے بھی اس غزوہ میں اپنے ہمراہ لے جائیں انہیں زخمیوں کی خدمت اور مریضوں کی دیکھ بھال کر دل لگی۔ شاید اللہ تعالیٰ مجھے راہِ حق میں شہید ہونے کی سعادت بخشے حضورؐ نے فرمایا تم گھر میں ہی رہو اللہ تمہیں یہیں شہادت نصیب کرے گا۔ انہوں نے حضورؐ کے ارشاد کی تعمیل کی اور غزوہ پر جانے کا ارادہ ترک کر دیا عبادت سے بڑا شغف تھا، چونکہ قرآن پڑھی ہوئی تھیں اس لیے حضورؐ نے ان کو غور و فکر کا اہل مقرر

فرمایا تھا اور انہوں نے اپنے مکان کو مسجد گاہ بنالیا تھا جہاں غوثوں کی امامت کیا کرتی تھیں حضورؐ نے ان کی درخواست پر ایک مؤذن بھی مقرر فرمایا تھا ان کی اذان کو غوثیں نماز باجماعت ادا کرنے حضرت ام ورتہؓ کے گھر آ جاتی تھیں۔

علامہ ابن اثیر نے اسلاف میں بیان کیا ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان پر بے حد شفیق تھے کبھی کبھی بعض صحابہؓ کے ہمراہ ان کے گھر تشریف لے جاتے تھے اور فرمایا کرتے تھے: ”اُدْ شہیدہ کے گھر میں“ ”عہد رسالت سے متعلق ان کے اسی قدر حالات معلوم ہیں۔

حافظ ابن حجر کا بیان ہے کہ حضرت ام ورتہؓ نے اپنے ایک غلام اور ایک لونڈی سے وعدہ کیا کہ میرے مرنے کے بعد تم آزاد ہو“ ان بدبختوں نے جلد آزاد ہونے کے لیے ایک رات کو چادر سے ان کا گلا گھونٹ دیا۔ صبح کو حضرت عمر فاروقؓ نے لوگوں سے کہا کہ آج خالدؓ ورتہؓ کے قرآن پڑھنے کی آواز نہیں آتی، معلوم نہیں ان کا کیا حال ہے؟ اس کے بعد حضرت ام ورتہؓ کے گھر گئے دیکھا کہ مکان کے ایک گوشہ میں لپٹی بے جان پڑی ہیں۔ سخت غمزدہ ہوئے اور فرمایا: ”اللہ کے رسولؐ کی بیعت کیا کرتے تھے کہ شہیدہ کے گھر چلو“ اس کے بعد منبر پر تشریف لے گئے یہ خبر بیان کی۔ غلام اور لونڈی دونوں کو گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ وہ گرفتار ہو کر آئے اور امیر المومنین کے حکم کے مطابق انہیں اس بھیانک جرم کی پاداش میں سولی پر لٹکا دیا گیا اہل سیر نے کھاہے یہ دونوں وہ پہلے مجرم ہیں جن کو مدینہ منورہ میں سولی دی گئی۔

ابن سعد کا بیان ہے کہ حضرت ام ورتہؓ نے حضورؐ سے کچھ حدیثیں بھی روایت کی ہیں لیکن کسی دوسری کتاب میں ان کی روایت حدیث کا ذکر نہیں آیا۔

## حَضْرَتِ اُمِّ مَنِيعٍ اَنْصَارِيَّةٌ



ان کا نام اسما بنت عمرو بن عدی تھا اور غزوہ بدر کے خاندان بنو سلمہ سے تعلق رکھتی تھیں ہجرت نبویؐ سے قبل سعادت اندوز اسلام ہوئیں اور اہلۃ العقبہ (مسلمہ بعد بعثت) میں رخصتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت سے مشرف ہوئیں اس موقع پر یہ سعادت (۳، مردوں کے علاوہ) صرف ایک اور خاتون حضرت ام عمارہؓ کو نصیب ہوئی تھیں وہ بیعت تھی جس میں انصار نے حضورؐ کو مدینہ تشریف لانے کی دعوت دی اور اپنی جانوں مالوں اور اہلدادوں کے ساتھ آپؐ کی حفاظت اور مدد کا عہد کیا۔

حضرت ام منیعہؓ کے اس سے زیادہ حالات معلوم نہیں ہیں۔



اسعد گیلانی

نام و مخدوم

# سید اسد گیل شہید

نام  
والد کا نام  
تاریخ ولادت  
مقام پیدائش

سید احمد  
سید محمد عرفان  
۶ صفر ۱۲۰ھ مطابق ۲۹ نومبر ۱۷۸۶ء بروز پیر  
راے بریلی، ہندوستان

خاندان کے ایک بزرگ شاہ علم اللہ اہل و عیال کے ساتھ سفر حجاز کی نیت سے اپنے وطن نصیر آباد سے روانہ ہوئے۔ لیکن راے بریلی پہنچ کر ایک خدا رسیدہ بزرگ کے اصرار پر یہیں قیام کیا۔ اور پھر مستقل آباد ہو گئے۔

چار سال کی عمر میں مکتب میں بٹھائے گئے۔ لیکن طبیعت کو تعلیم سے لگاؤ نہ تھا۔ اس لیے تین سال کی مسلسل کوشش کے بعد دواجی تعلیم چھوڑ دی۔ اس دوران میں فارسی عربی کی ضروری تعلیم اور قرآن مجید کی چند سورتیں یاد ہو سکیں اور دین کے ضروری مسائل سے بھی پوری طرح آگاہی ہو گئی۔ کچھ فلسفی شعراء کے پسندیدہ اشعار بھی یاد تھے۔ چنانچہ اپنی بعد کی زندگی میں جب انہوں نے اپنے آپ کو اللہ کی راہ میں ڈال دیا تھا تو اکثر نیا شعرا زبان پر رہتے جو ان کے دل میں بھر پور کئے والے نصب العین کے عشق کا بہترین اظہار ہیں۔

اے آنکھ زنی دم از محبت  
برخیز و بیخ تیر بہ نشیرے

از ہستی خوشبختی بہ پرہیز  
یا از سر راہ دوست بر خیز

اور یہ شعر زوقِ عبودیت کا نمونہ ہے۔

تو کہ ہم مطلق و من گدا چہ کنی جز این کہ بخوانیم  
در دیگرے خاکہ من یکباروم چو برانیم !!

بچپن سے ہی ان کی فطرت گویا انہیں جہاد کے لیے تیار کر رہی تھی۔ چنانچہ طبیعت مردانہ اور سپاہیانہ کھیلوں کی طرف بہت مائل تھی۔ ہم عمر لڑکوں کی ٹولیاں مزب کر کے ان کو فوجیوں کی طرح آسنے سامنے لانا، ایک دوسرے کے قلعہ پر حملہ کرنا اور کبڈی بہت پسند کھیل تھے۔ درشن کرنے،



ڈنٹریسینے، گھر بلانے، پانی کے دھارے میں بہاؤ کے خلاف تیرنے کا خاص شوق تھا۔ اور یہ واقعہ ہے کہ آئندہ زندگی میں دنیا کے چلتے ہوئے دھارے کے خلاف تیرنے کی یہ سب تیاریاں تھیں جو ان کی فطرت ان سے کر رہی تھی۔

سنہ ۱۸۷۶ء برس کی عمر میں چند ساتھیوں کے ساتھ لکھنؤ تشریف لے گئے۔ یہ سفر پیدل کیا۔ کچھ دن لکھنؤ میں رہ کر تہادہلی روانہ ہو گئے۔ سفر میں کمزور اور بے سہارا مسافروں کی امداد کا خاص اہتمام رہا۔ دہلی پہنچ کر شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مقصد حصول علم تھا۔ اور کسب فیض۔

تقریباً سڑھتھین سال دہلی قیام کے بعد رائے بریلی واپس تشریف لے گئے۔ کچھ عرصہ قیام رہا اس دوران میں شادی بھی ہوئی۔ پھر بعض مقاصد کی تکمیل کے لیے نواب امیر خاں کی سپاہ میں جاکر شامل ہو گئے۔ اور اس میں سات سال رہے اور جب اس نے انگریزوں سے صلح کے بعد آزادی ترک کر کے ریاست ٹونک کی گدی قبول کر لی تو اس سے علیحدہ ہو کر دہلی تشریف لے گئے۔ اب ان کا تقویٰ اور طہارت نفس ایک نمایاں مقام حاصل کر چکے تھے۔

سید صاحب نے اس دوران میں باقاعدہ غور و فکر، سیاسی حالات کے مطالعہ اور ملک میں گرتی اور ابھرتی ہوئی طاقتوں کے جائزے سے مسلمانوں کے بھیانک مستقبل کا اندازہ کر لیا تھا اور ان کے ذہن میں اصلاح و تجدید کی ایک تجویز مرتب ہو چکی تھی۔ ان کے نزدیک اس سارے انحطاط اور سارے زوال کا ایک ہی واحد علاج تھا۔

★ بیہیم زوال پذیر مسلمان قوم کو دینی خطوط پر منظم کیا جائے۔

★ جہاد کی روح کو دوبارہ زندہ کیا جائے۔

★ باطل طاقتوں سے لڑ کر دین حق کو غالب کر دیا جائے چاہے مخالفوں کو کتنا ہی

ناگوار ہو۔

لیکن اس کے لیے ایک تنظیم کی ضرورت تھی ایک مضبوط گروہ جو اللہ کی راہ میں جان و مال کی بازی لگا سکے۔ انہوں نے اس کام کی ابتداء کی۔

دہلی کے اکابرین میں سے مولانا شاہ اسماعیل، مولانا عبدالحی اور مولانا محمد یوسف چلتی نے بیعت کی اور کام کا آغاز ہو گیا۔ اس بیعت نے سید صاحب کی شہرت دور دور تک پہنچادی۔ اس لیے کہ یہ بزرگ دہلی کے سب سے بڑے علمی خاندان شاہ ولی اللہی کے مقتدر بزرگ تھے۔

اب جگہ جگہ سے دعوت نامے آنے لگے۔ چنانچہ تبلیغی دروروں کا آغاز ہو گیا۔ جہاں جہاں سے دعوت تبلیغ و اصلاح آتی رہی، سید صاحب خود یا ان کے رفقاء وہاں پہنچ کر لوگوں کو اس نصیب العین سے منسلک کرتے رہے، جو ان کے پیش نظر تھا۔ اور راجہ حق میں لٹانے کے لیے جانوں اور مالوں کا ذخیرہ کرتے رہے۔ اس بارے میں عرصے میں لوگوں نے دیکھا کہ اس نئی تحریک کا داعی اپنے مقصد سے کتنی کمری وابستگی اور خلوص رکھتا تھا۔ اور اس کے اس خلوص اور قلبی لگاؤ نے ہر اس شخص کو ان سے متاثر کیا جو ان سے ملایا جستجوئے حق کا جذبہ کران کے پاس آیا۔

چنانچہ آپ اس ابتدائی دورِ تربیت میں لوگوں کو جہاد کی دعوت دیتے رہے۔ جہاد کے فضائل بیان کرتے رہے، جہاد کی تیاریاں کرتے رہے، اور اپنے ساتھیوں کو وہ سب صعوبتیں سننے کی مشق کرتے رہے جو میدانِ جنگ میں حق کے حامی بے سرو سامان سپاہیوں کو پیش آسکتی ہیں۔ آپ نے سپر گری، دفعہ، اور شفقت اٹھانے کی اپنے ساتھیوں کو خاص طور پر ہدایت کی اور ان کی ہمت افزائی کی اور پھر خود اس کا عملی نمونہ بھی پیش کرتے رہے۔ اگرچہ اس ابتدائی دور میں آپ کے تعمیر کام کا بیشتر حصہ تبلیغ مسائل دین اور رسم و رواج کے سلسلہ بند ہونے کا انسداد اور بدعات کا استحصال تھا۔

۱۲۳۶ھ مطابق ۲ اگست ۱۸۲۱ء کو سید صاحب حج کے لیے تیار ہو گئے اور اعلان کر دیا کہ جو چاہے ان کے ساتھ حج کے لیے جاسکتا ہے۔ سب کے اخراجات کا ذمہ انہوں نے خود اپنے اوپر لے لیا۔ اس کا پس منظر یہ تھا کہ اکثر علماء نے سفر میں خطرات کو سامنے رکھ کر حج کی عدم فرضیت کا فتویٰ دے دیا تھا جو سید صاحب کے نزدیک دین کا ایک ستون گرا دینے کے مترادف تھا۔ انہوں نے تمام خطرات کی پردہ نہ کرتے ہوئے اس فرض کو قائم کرنے کے لیے نہ صرف خود حج کا ارادہ کیا بلکہ ہر شخص کو اپنے ساتھ چلنے کا اذن عام دے دیا۔ اور اس کے اخراجات برداشت کرنے کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ قادرِ مطلق نے اس کے سامان بھی فراہم کر دیئے۔ اس لیے کہ بندوں کے پاس توکل کی دولت موجود تھی۔ اور آقا کی عطا کیا یہ عالم ہوا کہ دس جہاز سید صاحب کے رفقاء سفر سے بھر کر حج کے لیے گئے۔ ۲۹ شعبان ۱۲۳۹ھ مطابق ۲۹ اپریل ۱۸۲۳ء سید صاحب بخیر و عافیت واپس وطن سے تشریف لائے۔

حج سے واپسی کے بعد وہ اصل کام شروع ہوا جس کے لیے اللہ نے مومنوں سے ان کو جانوں کو جنگ کے بدلے خریدا ہوا ہے۔ سید صاحب کے سامنے اب وہ مرحلہ آگیا تھا جس کے لیے وہ اپنی جان عزیز کو لیے پھر رہے تھے۔ اب وہ دن دور نہ تھا جب وہ ہدیہ جان حضور حق

میں پیش کیا جانے والا تھا۔ ان کے سامنے کسی سلطنت کا حصول نہ تھا، کسی بادشاہت کا نیا۔ نہ تھا۔ نہ خزانے کی طلب تھی صرف ایک جذبہ تھا جو مومن کے قلب سے اٹھ کر اس کی رگ رگلوں کے قریب اس وقت تک پھرتا رہتا ہے جب تک وہ گردن اللہ کی راہ میں کٹ نہیں جاتی۔ یعنی

\* صرف اللہ کی رضا کا حصول۔

\* صرف مالک کو خوش کرنے کا شوق۔

صرف احمیائے دین کا شوق۔

یہی کچھ فقیہ بے نوا کی متاع تھی۔ اور اس متاع کے ساتھ وہ دنیا کے تمام عیش و آرام کے مقابلے میں فقری کے اندر بھی شب و روز کی جدوجہد کو پسند کرتے تھے اور اس متاع کو وہ در مولایر لٹانا چاہتے تھے۔

انہوں نے سرحد کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ سکھوں کی ظالم اور سفک قوم کو جس نے پنجاب اور سرحد میں مسلمانوں پر عرصہ حیات تک کر رکھا تھا اپنا پہلا ہدف بنایا اور سرحد میں اپنے محدود ساتھیوں کے ساتھ منتقل ہو کر ڈیرے ڈال دیئے اور صدیوں کے بعد خاص اللہ کی رضا کے حصول کے لیے تلواریں میانوں سے باہر نکلی تھیں۔ صدیوں کے بعد خالص جہاد فی سبیل اللہ کا اعلان ہوا تھا۔ ۱۷ جمادی الاول ۱۲۴۱ھ مطابق ۱۷ جنوری ۱۸۲۶ء کو درویشیہ کے روز وہ ریلے بریلی سے اپنے چار سو ساتھیوں اور نہایت حفیظ زاد راہ کے ساتھ میدان جہاد کے لیے براستہ سندھ یوپیستان روانہ ہوئے اور اندازاً ۲۵ نومبر ۱۸۲۶ء کو تقریباً نو ماہ بعد بڑی مصوبتوں سے گزر کر چار سہ کے میدان جہاد میں پہنچے۔

اس کے بعد اس جہاد کا آغاز ہو گیا جس میں نیت کے اعتبار سے وہ گزشتہ کئی برسوں سے شامل تھے اور عملی لحاظ سے اپنی زندگی کے آخری لمحے تک شامل رہے۔

چنانچہ دسمبر ۱۸۲۶ء سے جنگ اکوٹہ سے جو جنگوں کا سلسلہ شروع ہوا تو مئی ۱۸۳۱ء تک برابر جاری رہا ہر عمر کے میں قائد، ہر جنگ میں پیش پیش، یہاں تک کہ ۶ مئی ۱۸۳۱ء کو بروز جمعہ تقریباً گیارہ بارہ بجے دن بالاکوٹ کے مقام پر اپنے مالک کے ساتھ معاہدہ زندگی کی تکمیل کر دی اور پیہم لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

اللہ ان کے مدفن پر رحمت کے پھول برسائے اور جس عزیز نے ان کے حصول کے لیے وہ عمر بھر جدوجہد کرتے رہے، اس عزیز نے اپنی رضا اور خوشنودی سے انہیں نوازدے۔ آمین!

# تعارف و تبصرہ کتب

ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک

از۔۔۔۔۔ مولانا مسعود عالم ندوی

منحاست۔۔ ۱۸۰ صفحات بڑا سائز

کاغذ، کتابت و طباعت عمدہ

قیمت۔۔۔ دس روپے

ناشر۔۔۔ اداریہ مطبوعات سلیمانی

۴۰ جے۔ اردو بازار۔ لاہور

دینی اور علمی حلقوں میں مولانا مسعود عالم ندوی کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں وہ ایک بگڑا، موزکا، عالم دین، بلند پایہ مؤرخ اور صاحبِ طے انشا پرداز تھے۔ وہ بڑے چمکے پاک ہند کے ان چند علما میں سے تھے جن کو عربی زبان پر بے پناہ عبور حاصل تھا یہاں تک کہ خود عرب ادبا و فضلا ان پر رشک کرتے تھے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ سونے دروں کی دولت سے مالا لگتے اور ملت اسلامیہ کی خیر خواہی اور اس کو سربلین دیکھنے کا جذبہ ہر وقت ان کے دگ درپٹے میں رواں دواں رہتا تھا۔ مزید نظر کتاب مولانا مسعود عالم نے آج سے تینتیس برس قبل لکھی تھی۔ اس کا موضوع ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک اور شہید بالاکوٹ کے بعد کے حالات و واقعات کا جائزہ لینا ہے۔ فاضل موافق کے نزدیک سید احمد شہید بریلوی کی "تحریک تجدید و جہاد" ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک تھی انہوں نے مومنانہ بصیرت کے ساتھ اس تحریک کا جائزہ لیا ہے ان کی تحریریں بے مثال توازن ہے۔ وہ نہ تو اس تحریک کو کسی بیرونی یا اندرونی تحریک کا نسیم خیال کرتے ہیں اور نہ سید شہید اور ان کے مدفعا کو معصوم سمجھتے ہیں۔ انہوں نے اوصاف بیان کرنے کے ساتھ فرگزاشتوں کی نشاں بھی کی ہے اور نہایت محکم دلائل کے ساتھ یہ بھی ثابت کیا ہے کہ سید احمد شہید کی "تحریک تجدید و جہاد" کو "دہائی تحریک" کا نام دینا یکسر غلط ہے، فی الحقیقت اس تحریک کا نچر شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہابؒ کی دعوت توحید و اصلاح سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ دونوں تحریکوں کا سرچشمہ کتاب سنت ایک ہی تھا۔

تاہم دونوں کی نشوونما الگ الگ ہوئی۔ ادراک پر دوسری کا کوئی اثر نہیں پڑا۔ یہ کتاب تاریخ تحقیق اور ادب کا نہایت حسین امتزاج ہے اور ہر لحاظ سے مطالعہ کے قابل ہے۔ احادیث و مطبوعات سلیمانی کے مبارک باد کا مستحق ہے کہ اس نے اس گر انقدر کتاب کا جدید ایڈیشن اس کے شایانہ شان انداز میں شائع کیا ہے۔ دس روپے قیمت بالکل درجہ ہے۔ بیہل میدان ہے کہ کوئی کتب خانہ اور علمی ذوق رکھنے والا گھرانا اس کتاب سے خالی نہیں رہے گا۔

## شعر و ادب

عبد الرحمان عاجز

## دنیا جسے کہتے ہیں ایک مارِ حسیں ہے

در اصل یہ تعذیب ہے اور سخت ترین ہے  
پھر کس لئے دنیا کے مصائب پر حسیں ہے  
پھر بھی یہی کہتے ہیں کہ تو پردہ نشیں ہے  
ہر ذرہ خاکی تر سے جس لوں کا میں ہے  
ختم در پر ترے میری عقیدت کی جہیں ہے  
ادیان زمانہ میں وہ اسلام ہی دین ہے  
کس حالِ دگرگوں میں وہ اب نیریز میں ہے  
گلشن میں جہاں پھول ہے کاٹا بھی دیں ہے  
دنیا جسے کہتے ہیں یہ اک مارِ حسیں ہے  
ان میں سے کوئی آج مکاں ہے نہ کیوں ہے  
سمجھو کہ وہاں تیسرا شیطان لعلیں ہے  
جس میں ہو وہ انسان نہایت ہی حسیں ہے  
یہ راہ حقیقت میں رہ خلیہ بریں ہے  
ہر ایک قدم اس کا ہلاکت کے قریں ہے

اس چیز کی خواہش جو تقدیر میں نہیں ہے  
جب کتبہ تقدیر پر ایمان ہے یقیں ہے  
ہر شے میں جھکتا ہے ترا جیہ سہرہ روشن  
ہر غنچہ رنگیں ہے ترے حسن کا مظہر  
ملتی ہے یہیں سے مروا ختم کو بند ہی  
ہے جس پر عمل راحت و عظمت کی ضمانت  
چلتا تھا نہ میں پر جو کبھی ناز و ادا سے!  
اس عمر کے درسا تھی میں راحت بھی الم بھی  
ہر شیا و خبر دار۔ سنبھل کر لے چھو نا!  
تھی چاروں طرف دھوم کبھی جن کی جہاں میں  
ہوتے ہیں زن و مرد جہاں اجنبی دونوں  
کم خوری و کم خوابی و کم گوئی یہ اوصاف  
تو راہِ مدینہ کی صعوبت سے نہ گھبراؤ!  
تو راہِ عصیاں پہ کبھی پاؤں نہ رکھنا

اس عمر کو غفلت میں وہ ضائع نہیں کرتا  
عاجز جسے احوالِ قیامت پر یقیں ہے



فون نمبر: ————— ۳۵۲۸۹۷ — ۶۳۲۱۰

ماہنامہ ”محدث“ لاہور

کی خصوصی پیشکش

# رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نمبر

منفرد اور نرالی آب و تاب کے ساتھ جامع اور مثالی شاہکار

مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اور کئی

دیگر مشاہیر اہل قلم کی نگارشات اور ممتاز شعرا

کے کلام سے مزین

تازہ ایڈیشن: جلد اول، قیمت ۷ روپے۔ جلد دوم، قیمت ۹ روپے  
مستقل خریداروں کے لئے خصوصی رعایت، تاجر حضرات کیلئے معقول کمیشن

آج ہی طلب فرمائیں!

دفتر رابطہ: ماہنامہ ”محدث“ ۹۹ - جے ماڈل ٹاؤن — لاہور

ملتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

# ماہنامہ محدث لاہور

جلد ۱۰ صفر المظفر ۱۴۰۰ھ عدد ۲

## فہرست مضامین

- |    |                            |                         |            |
|----|----------------------------|-------------------------|------------|
| ۲  | مولانا مسعود احمد          | حدیث حجت شرعیہ ہے       | فکر و نظر  |
| ۱۰ | مولانا عزیز زبیدی          | درود تاج و غیرہ کا ورد  | دارالافتاء |
| ۳۳ | مولانا ابوالسلام محمد صدیق | حافظ محدث پڑھی کا فتویٰ |            |
| ۱۷ | مولانا محمد حسین کلیم      | معنوی جمہوریت           | بحث و نقد  |
| ۳۷ | ایم، ایم، اے               | آدٹ اور اسلام           |            |
| ۳۲ | سرخ عرفانی                 | جمہاری تہائے            | شعروادب    |

کتب: ہارون الرشید بن محمد ادیب

ناشر: حافظ عبد الرحمن کدنی طابع: چوہدری رشید ملک: صدر قریب ۳۳ شارع قاضی خان لاہور

ڈسکالانہ - ۱۵/۰۰۰۰ فی پیچہ ۲۰۰۰

فکر و نظر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# حدیث حجت شریعہ

اللہ تعالیٰ ہمارا احکم حقیقی ہے، ہم اُس کے احکام کے تابع ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے احکام اس کے بندوں تک پہنچانے کا ذریعہ صرف اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں

جن کو اللہ تعالیٰ خود منتخب فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے احکام کے مجموعہ کو اللہ تعالیٰ کا دین کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے دین کا نام اسلام

ہے اور اس دین کو ماننے والا مسلم کہلاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے احکام کے دو ماخذ ہیں۔ قرآن مجید اور احادیث رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)

قرآن مجید کا ماخذ احکام ہونا موضوع بحث نہیں، اس وقت موضوع بحث صرف احادیث کا

ماخذ احکام ہونا ہے۔

اگرچہ قرآن مجید کے ماخذ قانون ہونے کا ابھی تک کھلم کھلا انکار نہیں کیا گیا۔ تاہم

دبے دبے الفاظ میں یہ تو کہا جانے لگا ہے کہ یہ ۱۴۰۰ سال پرانا قانون اس دور میں نہیں چل سکتا۔

جیسا کہ اوپر لکھا گیا، قرآن مجید کا ابھی تک ظاہری طور پر انکار نہیں ہوا لیکن معنوی طور پر

ہو چکا ہے۔ قرآن مجید کی وہ تشریح جو عہد رسالت سے چلی آرہی تھی اس کا انکار کیا جا چکا ہے۔ مزید برآں

قرآن مجید کو اپنے خود ساختہ معانی و نظریات کا تابع کر دیا گیا ہے۔ اگر ان محدثین کو قرآن مجید کی کوئی

آیت ان کے نظریہ کے خلاف نظر آتی ہے تو قرآن مجید کی اس آیت کو توڑ مروڑ کر اپنے نظریہ کے

مطابق کر لیتے ہیں اور عام لوگوں کو یہ تاثر دیتے ہیں کہ ہم نے قرآن مجید کی روشنی میں یہ نظریہ قائم کیا

ہے۔ اس طرح قرآن مجید اب نظریات و قوانین کی اساس نہیں رہا بلکہ ان کے خود ساختہ نظریات اب اساس دین بن گئے ہیں۔ قرآن مجید کو ظاہری طور پر مانا جا رہا ہے۔ حقیقی طور پر نہیں۔ اس مختصر تمہید کے بعد اب ہم حدیث رسول کے ماخذ احکام ہونے کے مسئلہ پر بحث کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ  
يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ  
الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي  
ضَلَالٍ مُبِينٍ (جمعہ ۲)

وہ اللہ ہی ہے جس نے اُمیوں میں، ان ہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا جو ان کو اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے۔ ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور اس سے پہلے یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض منصبی تین ہیں۔

- ۱۔ اللہ تعالیٰ کی آیات سنانا۔
- ۲۔ تزکیہ نفس کرنا یعنی قلوب کو تمام روحانی گندگیوں سے پاک کرنا۔
- ۳۔ کتاب اور حکمت کی تعلیم دینا۔

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام صرف اللہ تعالیٰ کی آیات سنانا ہوتا تو کہا جاسکتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محض ایک قاصد تھے جو پیغام دے کر چلے گئے، آپ کی ذات سے ہمارا کوئی تعلق نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صرف قاصد ہی بنا کر نہیں بھیجا بلکہ فریاد و معلوم بھی بنا کر بھیجا اور آپ کی ذات سے بھی ہمارا تعلق پیدا ہو گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے ہمارے تعلق کی دو صورتیں ہیں جو اس آیت میں بیان کی گئی ہیں۔ تزکیہ نفس اور تعلیم کتاب و حکمت۔

تزکیہ نفس ہم کو امراض روحانی سے مراد یہ ہے کہ دل کو امراض روحانی سے پاک کرنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو امراض روحانی سے شفا حاصل کرنے کا طریقہ بتاتے ہیں۔ کسی مرض کے علاج میں

صرف نسخہ ہی کافی نہیں ہوتا بلکہ اس نسخہ کا طریقہ استعمال بھی ضروری ہوتا ہے۔ طریقہ استعمال بتانا طبیب کا کام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طبیب روحانی ہیں۔ لہذا جب تک آپ کے بتائے ہوئے طریقہ پر نسخہ استعمال نہیں کیا جائے گا کوئی مفید نتیجہ برآمد نہیں ہوگا، اور کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے طبیب ہیں۔ لہذا آپ کا بتایا ہوا طریقہ استعمال

بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے منظور شدہ ہونا لازمی ہے۔ یعنی تزکیہ نفس کے سلسلہ میں جو جو باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائیں یا انجام دیں وہ سب منجانب اللہ ہیں اور جو باتیں منجانب اللہ ہوں ان کے حجت ہونے میں کیا شبہ ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ تزکیہ نفس کے سلسلہ میں جو احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائیں وہ تمام کی تمام حجت ہیں۔

**تعلیم کتاب و حکمت** | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے تعلق کی دوسری صورت آپ کا تعلیم کتاب و حکمت ہوتا ہے۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو چیزوں کی تعلیم دیتے ہیں۔ کتاب کی اور حکمت کی۔ اگر کتاب سے صرف قرآن مجید مراد ہے تو پھر حکمت قرآن مجید کے علاوہ کوئی اور چیز ہوئی۔ قرآن مجید کے علاوہ جو چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو دی وہ احادیث ہی ہیں لہذا حکمت سے مراد احادیث ہوئیں۔

آیت بالا کی رو سے احادیث جزو شریعت ہوئیں۔ لہذا احادیث حجت شرعیہ اور مآخذ قانون ہوئیں۔

منکرین حدیث کا خیال ہے کہ کتاب سے بھی قرآن مجید مراد ہے اور حکمت سے بھی قرآن مجید ہی مراد ہے۔ اگر ہم یہ بھی فرض کر لیں تو بھی اس حقیقت کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں قرآن مجید کی تعلیم دیتے ہیں۔ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے معلم ہیں۔ یعنی آپ قرآن مجید صرف سناتے ہی نہیں بلکہ سمجھاتے بھی ہیں۔ تشریح و توضیح بھی کرتے ہیں۔ اگر آپ کا کام صرف سنانا ہی ہوتا تو پھر **يَتْلُو عَلَيْكُمْ** آیت کا کافی تھا۔ لیکن آیت بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا فرض منصبی یہ بھی تھا کہ آپ ان آیات کی تعلیم بھی دیں۔ ظاہر ہے کہ تعلیم دیتے وقت معلم بہت سی باتوں کی تشریح کرتا ہے اگر وہ تشریح نہ کرے تو پھر وہ صرف سناتے والا ہو۔ پھر اسے قاری تو کہہ سکتے ہیں، معلم نہیں کہہ سکتے اور کیونکہ آیت بالا کی رو سے آپ معلم ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ اس منصب پر فائز ہوئے ہیں۔ لہذا آپ کی تشریح کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ماننا پڑیگا اور اس لحاظ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام تشریحات منجانب اللہ ہونے کی وجہ سے بالکل حق اور منشاء الہی کے عین مطابق و موافق ہوں گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی تشریح کبھی غلط نہیں ہوگی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کلام کی غلط تشریح پر کبھی خاموش نہیں رہ سکتا۔ لہذا وہ تمام تشریحات اور علمی تفصیلات جو احادیث میں پائی جاتی ہیں۔ منجانب اللہ ہیں اور اس بنا پر وہ حجت شرعیہ اور مآخذ قانون ہیں۔



ایک شبہ اور اس کا ازالہ | کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کی تشریح کرتے وقت بھی قرآن مجید کی آیات ہی پڑھ دیا کرتے تھے۔ ایک آیت کی تشریح دوسری آیت سے کر دیا کرتے تھے۔ لیکن اس کا یہ قول محض دعویٰ ہی دعویٰ ہوگا۔ حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ مثلاً "الصلوة" کسے کہتے ہیں؟ قرآن مجید میں اس کی تشریح کہاں ہے؟ وہ کونسی آیت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "اقیموا الصلوٰۃ" کی تشریح میں پڑھی؟ ظاہر ہے کہ ایسی کوئی آیت نہیں جس میں "اقیموا الصلوٰۃ" کی تشریح ہو لہذا یہ دعویٰ بے بنیاد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کی تشریح قرآن مجید سے کرتے تھے۔ **الا ماشاء اللہ!**

اگر تشریح کرتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کی آیات تلاوت فرماتے تھے تو پھر یہ تلاوت آیات ہی کا منصب ہوا جس کا ذکر **يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ** میں کیا گیا ہے۔ دوسرا کوئی منصب نہیں ہوا۔ ایسی صورت میں **يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ** کی حقیقت کچھ بھی نہیں رہتی اور آپ کا صرف ایک منصب رہ جاتا ہے یعنی آیات کی تلاوت کرنا اور یہ چیز آیت زیر بحث کی رو سے بالکل بے بنیاد اور باطل ہے۔

اگر ہم یہ فرض کر بھی لیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آیات کی تشریح کرتے وقت آیات ہی پڑھتے تھے تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ کو کس نے بتایا کہ فلاں آیت، فلاں آیت کی تشریح کرتی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ کسی کے بتانے کی ضرورت نہیں تھی۔ جو شخص بھی قرآن مجید کی آیات میں غور و فکر کرے گا وہ سمجھ لے گا کہ کونسی آیت کونسی آیت کی تشریح کرتی ہے تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ کسی معلم کی ضرورت ہی نہیں اور قرآن مجید کا یہ جملہ **يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ** لا یعنی ہے۔ **فَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكِ**۔ اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتاتا تھا کہ فلاں آیت سے فلاں آیت کی تشریح ہوتی ہے تو یہ کونسی وحی تھی جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات بتائی تھی؟ کیا اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ قرآن مجید کے علاوہ کوئی سلسلہ وحی تھا جو قرآن مجید کی تشریح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی کرتا تھا؟ اسی سلسلہ وحی کو حدیث کہتے ہیں۔ لہذا حدیث کے حجت شرعیہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

بعض آیات کے معنی بغیر حدیث کے حل نہیں ہوتے | قرآن مجید کی بعض آیات ایسی بھی ہیں جن کا کوئی حل ہمارے پاس نہیں، مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلْحُجَّةُ اَشْهُرُ مَعْلُومَاتٍ (بقیہ ۱۹۷) حج کے چند مقصد میں سے ہیں۔

کسی آیت سے ثابت نہیں ہوتا کہ یہ جیسے کون سے جیسے ہیں۔ ایسی صورت میں اس آیت پر کیسے عمل ہو سکتا ہے؟ کیا اس آیت کی وضاحت کے لئے حدیث کی ضرورت نہیں؟ یقیناً ضرورت ہے۔ لہذا حدیث حجت شرعیہ ہے۔

## بعض آیات ظاہری مفہوم کے اعتبار سے ناممکن العمل ہیں

قرآن مجید کے بعض احکام ناقابل عمل معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَرُتُوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَكُمْ (آئۃ: ۱۵۰) اور جہاں کہیں بھی تم ہو مسجد حرام کی طرف منہ کرو۔

آیت بالا کا مفہوم یہ ہے کہ ہر وقت، ہر حالت میں منہ قبلہ کی طرف ہونا چاہیے اور یہ قطعاً ناممکن ہے۔ قرآن مجید سے ثابت نہیں ہوتا کہ یہ حکم کس وقت کے لئے ہے البتہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ حکم نماز کے وقت ہے اور اس تشریح کے بعد ہی اس آیت پر عمل ہو سکتا ہے، ورنہ نہیں اور جو چیز قرآن مجید کو ممکن العمل بنائے وہ یقیناً حجت ہے لہذا حدیث حجت ہے۔

## حدیث کو حجت نہ ماننے کے نتائج؛ افتراق والمجاد و بدعات

اگر قرآن مجید کی آیات کے کوئی معنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر نہ ہوں تو قرآن مجید باریخہ افتراق اطفال بن جائے گا جو معنی جس کی سمجھ میں آئیں گے وہی اس کے نزدیک حق ہوں گے امت میں ایک ہونا کا اختلاف اور ایک عظیم تفرقہ پھیل جائے گا۔ امت مسلمہ فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی جیسا کہ عملاً تقلید کی وجہ سے ہو چکا ہے۔ کیونکہ تقلید انکار حدیث ہی کی ایک خفی صورت ہے۔ تقلیدی فرقوں میں حدیث کا انکار تو کسی نہ کسی بہانہ سے ہوتا رہا لیکن اپنے مذہب کے باطل مسئلہ کا انکار نہیں کیا گیا۔ موجودہ تقلیدی فرقوں کا وجود اس پر ایک کھل دیا ہے۔ الغرض فرقہ بندی کو روکنے کا اگر کوئی ذریعہ ہے تو وہ صرف حدیث ہے۔ حدیث ہی پر سب متفق ہو سکتے ہیں کسی اور چیز پر نہیں۔ اگر حدیث کو حجت نہ مانا جائے تو فرقہ بندی پیدا ہوگی اور یہ اللہ تعالیٰ کی منشا کے قطعاً خلاف ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے وَلَا تَفَرَّقُوا اور جو چیز اللہ تعالیٰ کی منشا پورا کرنے کا ذریعہ ہو وہ یقیناً حجت ہوگی لہذا حدیث حجت ہے۔

بعض لوگ نیک نیتی سے اور بعض لوگ بد نیتی سے قرآن مجید کے ایسے معنی کریں گے  
**الحاد و بدعات** کہ اللہ تعالیٰ کا دین اپنی اصلی حالت میں باقی نہیں رہے گا۔ نیک نیتی بدعات  
 کا دروازہ کھول دے گی اور بد نیتی الحاد کا، اس طرح بدعات اور الحاد کا ایک عظیم سیلاب آئے گا جسے  
 روکنا دشوار ہی نہیں قریباً ناممکن ہو جائے گا۔ جیسا کہ عملاً تصوف اور تجدد پسندی اجوانکار حدیث  
 ہی کی قسمیں ہیں، اے باعثِ اچکا ہے، اس ابتداء اور الحاد کے انسداد کے لئے ضروری ہے کہ  
 قرآن مجید کے کوئی ایسے معین مغضوبوں جن کے خلاف کوئی معنی نہ کر سکے اور یہ معین معنی بالاتفاق اسی  
 ہستی کے مسلم ہو سکتے ہیں جس پر سب بالاتفاق ایمان لائے ہیں اور ایسی ہستی سوائے رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی کی نہیں۔ لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ہی قرآن مجید  
 کے معنی متعین کرنے کا واحد ذریعہ ہیں اور جو چیز قرآن مجید کے معنی متعین کر کے بدعات اور الحاد کے  
 روکنے کا سبب ہو وہ یقیناً حجتِ ہونی چاہیئے۔ لہذا حدیثِ حجت ہے۔

۱۔ اگر قرآنی حکومت موجود نہ ہو تو پھر قرآن مجید کی مشکلات کو حل کرنے کی کیا صورت ہوگی؟

قرآنی حکومت صدیوں سے معدوم ہے، کیا ان ادوار میں افتراق و الحاد روکنے کا کوئی ذریعہ تھا یا نہیں؟ ضرور تھا اور وہ حدیث عقی، موجودہ دور میں بھی قرآنی حکومت کہیں نہیں تو کیا اس دور میں الحاد و بدعت کو روکنے کا کوئی ذریعہ ہے؟ کوئی ذریعہ نہیں سوا حدیث کے۔ قرآنی حکومت دائمی چیز نہیں لہذا وہ اس دور کا مداوا نہیں ہو سکتی اس درد کے علاج کے لئے دائمی چننا ہی ہے نہ کہ عارضی۔

۲۔ قرآنی حکومت کے معدوم ہوجانے کے بعد دوبارہ قرآنی حکومت کو نسا فرقر قائم کرے گا، ہر فرقہ اپنی قائم کردہ حکومت کو قرآنی حکومت قرار دے گا اور اپنی من مانی کارروائیوں اور الحاد کو قرآنی حکومت کے مرکز کی تشریح قرار دیتے ہوئے نافذ کرنے کی کوشش کرے گا۔ کیا اس فساد اور بگاڑ کا کوئی علاج ہے خود مرکز ملت ہی جب فتنہ اٹھائے تو اس کا استیصال کیسے ہوگا؟

۳۔ یہ چیز بھی بعید از قیاس نہیں کہ دور الحاد میں وہ لوگ جو صحیح اسلام پر چل رہے ہوں کسی ظالم حکومت کا تختہ شق بن جائیں ماصل اسلام کو نیست و نابود کیا جائے اور نام ہر وقت قرآنی حکومت کا لیا جائے۔ لہذا یہ فرض کر لینا کہ قرآنی حکومت الحاد اور احداث کا سد باب کر سکتی ہے۔ طفل تسلی سے زیادہ کچھ نہیں۔

۴۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آج کوئی قرآنی حکومت، قرآن مجید کی کسی آیت کے کوئی معنی متعین کرے اور آئندہ زمانہ کی کوئی قرآنی حکومت اسی آیت کے دوسرے معنی متعین کرے، کیا قرآن مجید کی دونوں تعبیریں صحیح ہوں گی؟

۵۔ عربی میں بعض الفاظ لغت اضداد سے ہوتے ہیں یعنی ایک ہی لفظ کے دو معنی ہوتے ہیں اور وہ دونوں معنی ایک دوسرے کی ضد ہوتے ہیں۔ اب اگر دو مختلف زمانوں کی قرآنی حکومتیں قرآن مجید کی کسی آیت کے ایسے معنی کریں جو ایک دوسرے کی ضد ہوں تو کیا یہ صورت معقول ہوگی؟ کیا دونوں متضاد معنوں کو قرآن مجید کی صحیح تعبیر کہا جائے گا؟

۶۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ایک ہی زمانہ میں مختلف ممالک میں مختلف قرآنی حکومتیں قائم ہو جائیں اور ہر قرآنی حکومت اپنے ملک میں قرآن مجید کی آیتوں کے ایسے معنی کرے جو دوسری قرآنی حکومت میں نہ مانے جاتے ہوں۔ بلکہ بعض اوقات لغت اضداد کی وجہ سے بالکل متضاد معنی ہوں تو بتلیے کہ ان مختلف ممالک کی قرآنی حکومتوں کے مختلف بلکہ متضاد معنوں میں سے کون سے معنی صحیح ہوں گے؟ ایک ہی قرآنی حکم کی ایک ہی زمانہ میں مختلف تعبیریں ہوں گی جس تعبیر کو منشائے الہی کے مطابق سمجھا جائے اور کس کو مخالف سمجھا جائے؟ کیا ایسی حالت میں یہ مصرعہ

صادق نہیں آئے گا۔ ص

شد پریشاں خواب من از کثرت تعب و با

ایک غیر مسلم کے لئے یہ موقع کتنا مضحکہ خیز ہو گا۔ بلکہ اس کی مضحکہ خیزی سے تو ایک مسلم بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ آئین الہی انسان کی بے راہ روی پر کچھ پابندیاں عائد کرتا ہے لیکن یہ کیسا آئین کہ کچھ بھی پابندی عائد نہیں کرتا بلکہ کھلی چھٹی دے دیتا ہے کہ جو چاہو سو کرو اور قرآن مجید کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال لو تا کہ یہ کوئی نہ کہہ سکے کہ فلاں شخص یا فلاں حکومت نے قرآن مجید کے خلاف کیا۔ گویا یہ لوگوں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں حالانکہ یہ خود اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہیں۔ منافقوں کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے:

يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ  
”یہ لوگ اللہ اور ایمان والوں کو دھوکا دیتے ہیں حالانکہ وہ کسی کو دھوکا نہیں دیتے مگر اپنے آپ کو لیکن انہیں شعور نہیں۔“ (بقرہ ۵-۹)

**خلاصہ** | مندرجہ بالا مباحث کا خلاصہ یہ ہے کہ مرکز ملت یا قرآنی حکومت کے بس کی یہ بات نہیں کہ وہ افتراق، الحاد اور احداث کو روک سکے، قرآنی حکومت دائمی چیز نہیں کہ ہر وقت اور ہر زمانہ میں ہر جگہ ہر فرد یا ہر جماعت کا ساتھ دے سکے۔ قرآن مجید کے معانی کے لئے کسی دائمی چیز کی ضرورت ہے جس سے ہر دور اور ہر زمانہ میں ہر فرد اور ہر جماعت مستفیض ہو سکے اور ایسی چیز سوائے حدیث کے اور کیا ہو سکتی ہے؟ الحاد، افتراق اور بدعات کے سدِ باب کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے وہ یہ کہ جس سول پر ہم ایمان لائے ہیں جس کا کلمہ ہم سب پڑھتے ہیں اور جس کی منزلت و بزرگی پر ہم سب متفق ہیں اس کی تشریح کو تسلیم کر لیں اور اپنے اختلافات کو ختم کر دیں۔ اپنے افہام اور خواہشات کو اس کا تابع کر دیں۔ اپنے اجتہادات، مذہبی روایات، خود ساختہ فقہی اور تقلیدی مذاہب کو خیر باد کہہ کر قرآنی احکام کی تشریح و توضیح کے لئے صرف احادیث کو حجت تسلیم کریں۔ جب تک یہ نہیں ہو گا فرقے باقی رہیں گے۔ فتنے پھیلتے رہیں گے اور ان کو پھیلنے کا موقع ملتا رہے گا۔ فقط!



# میں کی حکومت

پاکستان کے مسلمان شہری کیا چاہتے ہیں۔ اسلام یا جمہوریت؟  
 ”اسلام“ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا بھیجا ہوا نظام ہے۔ اس میں ہر اس شعبہ زندگی کے لیے  
 ہدایات موجود ہیں جو ایک مسلم کو پیدائش سے لے کر وفات تک پیش آسکتا ہے۔ اس کا اپنا معاشی  
 نظام بھی ہے اور اقتصادی بھی، سیاسی نظام بھی ہے اور معاشرتی بھی۔ غرضیکہ اسلام ایک  
 مکمل نظام حیات ہے یہی وجہ ہے کہ جب پاکستان میں ”سوشلزم ہماری میشت“ کا نعرو  
 لگایا گیا تو اس سرزمین میں علمائے کرام نے بالاتفاق واشگاف الفاظ میں سوشلزم کے کفر ہونے  
 کا فتویٰ صادر فرمایا۔ یہ بالکل بجاتھا اور بروقت بھی۔

لیکن مجھے اس بات پر بہت حیرت ہے کہ ان علمائے کرام و زعمائے عظام نے  
 ”جمہوریت ہماری سیاست“ پر کیوں نہ اعتراض ڈالیا۔ نہ صرف یہ کہ اس پر اعتراض نہیں کیا  
 بلکہ خود بھی ”جمہوری ملک“ ”جمہوری نمائندے“ ”افوجی حکومت“ وغیرہ وغیرہ نعرے لگاتے  
 ہیں اور بیانات دے رہے ہیں کسی بھی مکتب کے عالم دین نے جہاں تک میری حکومت  
 ہیں اس کے خلاف آواز نہیں اٹھائی۔

میں ان لوگوں سے باادب ہو کر یہ پوچھنے کی جسارت کرتا ہوں کہ اگر سوشلزم کے  
 معاشی نظریات کی اسلام میں پیوند کاری جائز نہیں تو کیا اسلامی سیاست میں جمہوریت  
 کی پیوند کاری جائز ہے؟ اگر اسلام کا اپنا معاشی نظام ہے اور اسے مارکسی نظریات سے  
 جھیک مانگنے کی قطعاً ضرورت نہیں تو اسلام کا اپنا سیاسی نظام بھی ہے اسے یوپی  
 طرز سیاست یعنی جمہوریت سے در یوزہ گیری کی بالکل ضرورت نہیں۔ اور اسلام کا

سیاسی نظام ہے "خلافت"

اسلام کے دشمنوں نے مسلمانوں کے لیے بہت سارے شیطانی جال تیار کیے ہیں اور زندگی کے ہر شعبہ میں وہ جال پھیلا رکھے ہیں تاکہ اگر ایک جگہ سے مسلمان بچ نکلے تو کلکیا ہو جائے تو دوسری جگہ پھنس جائے۔ کہیں اقوام متحدہ ہے، کہیں عالمی ریڈ کراس، کہیں عالمی ہیومن رائٹس، کہیں عالمی عدالت، غرضیکہ اتنے جال ہیں کہ کہیں نہ کہیں جا کر مسلمان عجب تک نصرت الہی شامل حال نہ ہو کسی جال کا شکار ہو ہی جاتا ہے اور اپنے ان جالوں اور ماہرین جالوں کا شیطان نے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے سامنے بڑا اظہار کر بھی دیا تھا۔ قرآن پاک میں اللہ سبحانہ نے اس کے اسحق علیہ السلام کو نقل فرمایا:

وَلَا تَتَّبِعُوا مَن بَيْنَ يَدَيْهِ

"اور میں ضرور ضرور (انہیں بہکانے کیلئے

وَمَن خَلْفَهُمْ وَعَن آيَاتِنَا

ان کے آگے سے آؤں گا ان کے پیچھے سے

وَعَن شَمَائِلِهِم (الاعراف، ۱۱)

آؤں گا دائیں سے آؤں گا بائیں سے آؤں گا

تو جس طرح اس نے معاشیات میں سوشلزم کا جال بہ رنگ زمین بچھایا، اسی سیاست میں جمہوریت کا پر فریب نعرہ لگایا۔ چنانچہ شیطان کامیاب رہا کہ سوشلزم کے خطرات سے قوم کو آگاہ کرنے والے علماء و زعماء جمہوریت کی شیطانی تدبیر کو نہ پا سکے اور اگر کوئی جانتا تھا تو اس نے اس کا اظہار نہ کیا اور اپنے فرائض منصبی میں کوتاہی برتی اور عالم دین کی یہ کوتاہی نہایت سنگین جرم ہے۔ حدیث پاک میں ہے:

وَفِي كِتَابِ السُّنَنِ لِلرَّجُلِ

میں کتاب السنۃ کے لئے ایک شخص کے

بَنِي جَبَلٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا حَدَّثَ

بنی جبل رضی اللہ عنہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا حدث

فِي أُمَّتِي الْبَدْعَ، وَشَتَمَ أَحَدًا مِنْهُمْ فَلْيَنْظُرُوا الْعَالَمَ عَلَيْهِ، فَمَنْ لَمْ يَفْعَلْ فَعَلَيْهِ

فی امتی البدع، و شتم احدی منہم فلینظر العالم علیہ، فمن لم یفعل فعلیہ

لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ۔ (کتاب الاعتصام للشاطبی ج ۱ ص ۱۸۷ مطبعہ دار الفکر)

لعنة الله والملائكة والناس اجمعين۔ (کتاب الاعتصام للشاطبی ج ۱ ص ۱۸۷ مطبعہ دار الفکر)

۱۔ امام ابن الجوزی نے حتی المقدور کچھ شیطانی جال اپنی تالیس ابلیس نامی کتاب میں ذکر کیے ہیں۔ آج نئی تالیس ابلیس لکھنے کی ضرورت ہے جس میں سائنسی ترقی کے بعد شیطانی جالوں اور ماہرین جالوں کا تذکرہ ہو۔ بحکمہ

۲۔ یہ سب ادارے یہودیوں کی سرپرستی میں ہیں۔

## جمہوریت کا مطلب

جمہوریت (DEMOCRACY) عوامی حکومت

کو کہتے ہیں یعنی وہ ریاست جس کا انتظام عوام کی رائے کے مطابق سرانجام پائے جسے عوام پسند کریں وہ درست اور جسے عوام ناپسند کریں وہ غلط۔ اور جب کسی امر پر اختلاف ہو جائے تو کثرت رائے جدھر ہوگی وہی طے پاتا ہے اس کی وضاحت کے لیے میں ایک مثال پیش کرتا ہوں۔ تھوڑے دنوں کی بات ہے کہ یورپ کے ایک ملک میں عوام نے لواطت (مرد کا مرد سے برا کام کرنا) کی اجازت چاہی۔ لیکن حکومت کے نمائندوں نے اسے ناپسند کیا۔ مگر عوام کا مطالبہ شدت اختیار کر گیا چنانچہ اس برائی کے لیے کثرت رائے معلوم کی گئی کثرت رائے اسی طرف تھی کہ اس کی اجازت ہونی چاہیے۔ تو پارلیمنٹ اس مطالبہ کے سامنے جھک گئی اور یہ بات آئین میں داخل ہو گئی کہ مرد کو مرد سے نکاح حاصل کرنے کا حق حاصل ہے یہ ہے جمہوریت۔ گویا جمہوریت میں ناجائز و جائز قرار دینے کا حق اکثریت کا ہے یہی وجہ ہے کہ جمہوری ملک میں جائز حکمران وہ ہے جسے اکثریت عوام نے منتخب کیا ہو اور جو حکمران اس طرح برسرِ اقتدار نہ آیا ہو وہ غاصب ہے چور ہے۔ جمہوریت یہ ہے کہ کثرت رائے کے سامنے تسلیم غم کر دیا جائے۔

## جمہوریت اور اسلام

کثرت رائے کے سامنے جھک جانے کو دوسرے لفظوں میں آپ یوں ادا کر سکتے ہیں کہ حاکم اعلیٰ اکثریت ہے۔ اکثریت کا کہنا حکم ہے۔ قانون ہے اس کی خلاف ورزی جرم ہے اور یہ بات اسلام سے سترتا مترسقا دم ہے۔ کیونکہ اسلام کا کہنا یہ ہے کہ حکم اعلیٰ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہے۔ حکم اور قانون کا دوسرا صرف ارشاد باری تعالیٰ کو حاصل ہے اور باری تعالیٰ کے نمائندے انبیاء علیہم السلام ہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ

نے قرآن پاک میں فرمایا :

إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ  
”حکم چلا نے کا حق صرف اللہ کے  
کا ہے“ (الانعام، ۵۷ یوسف، ۴۰)

اس لیے کہ وہ اس کائنات کا شہنشاہ ہے۔ قرآن پاک میں ہے :

وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ  
”اور آسمانوں اور زمینوں اور ان دونوں کے  
درمیان کی جگہ کا بادشاہ صرف اللہ تعالیٰ ہے“ (المائدہ، ۱۰)

اور زمین پر کسی ملک میں جب کسی کو اقتدار ملتا ہے تو افسدہ بھارت و قحطی کا دیا ہوا مٹا ہے  
اللہ نے فرمایا :

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ حَاجَّ ابْنَ إِبْرَاهِيمَ  
”کیا تم نے اس شخص کو نہیں دیکھا جو حضرت  
ابراہیمؑ سے ان کے رب کے بارگاہ میں جھگڑا کر  
بعد کہ اللہ تعالیٰ نے سب بادشاہی بخشی“ (البقرہ: ۲۵۸)

اور آل عمران سورت میں سجانہ قتل کرنے فرمایا :

قُلِ اللَّهُمَّ وَلِيكَ الْمُلْكُ تُوَفِّ  
”کہہ دوئے اللہ ملک کے بادشاہ ابو جحس کو  
چاہے بادشاہی دے اور جس سے بادشاہی  
چاہے چھین لے۔“

تو جب زمین و آسمان میں اس کی شہنشاہیت ہے اور اسی کی حکمرانی ہے تو بندوں کو یہی  
زیب دیتا ہے کہ اسی کو اپنا فیصل مانیں۔ اللہ سجانہ نے فرمایا :

يُرِيدُونَ أَنْ يُتَحَاكَمُوا إِلَى  
”وہ چاہتے ہیں کہ طاغوت کے پاس اپنے فیصلے  
لے کر جائیں حالانکہ انہیں یہ حکم دیا گیا کہ وہ اس  
یُكْفَرُوا بِهِ“ (النساء، ۶۴)

امام ابن کثیرؒ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں :

فَإِنْهَا إِذَا مَنَعَ عَدْلًا عَنْ  
”یہ آیت اس شخص کی مذمت کرتی ہے جو قرآن  
دست سے روک دے کہ کسی اور کے  
پاس اپنا فیصلہ لے کر جائے اور طاغوت سے  
مراد وہی فیصل ہے۔“

تو جب کوئی شخص کتاب سنت کو چھوڑ کر عوام کا فیصلہ پسند کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے حاکم اعلیٰ ہونے کا انکار کرتا ہے۔ اس کا حاکم اعلیٰ (SOVEREIGN) وہی ہے جس کے پاس وہ اپنا فیصلہ لے کر گیا۔ ایسا شخص از روئے اسلام کافر ہے۔ اللہ سبحانہ نے فرمایا:

وَمَنْ لَّمْ يَخُفْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ  
اور اللہ سبحانہ نے فرمایا:

فَلَا وَرَيْتَ لَا يُؤْمِنُونَ  
حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكُمْ فِيمَا شَجَرَ  
بَيْنَهُمْ وَلَا يَجِدُوا فِي  
أَنْفُسِهِمْ فَوْجًا وَمَا قَضَيْتَ  
وَيَسْلُمُوا تَسْلِيمًا  
تہا سے رب کی قسم یہ لوگ ایماندار نہیں بن سکتے  
تا انکو تمہیں اپنے جھگڑوں کا فیصلہ نہ ان میں چھران  
کے دونوں میں آپ کے فیصلہ پر کھڑے نہ ہوں  
وہ آپ کا فیصلہ دل معان سے تسلیم  
کر لیں۔

اور انسان ایماندار جمعی بنے گا جب کہ وہ اپنے ہر معاملہ میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فیصلہ لے کر جائے اور تمام معاملات زندگی حدیث نبوی کے مطابق بنائے اور صرف یہی نہیں بلکہ جب حدیث مل جائے تو دل میں یہ کیفیت بالکل نہ ہو کہ حدیث تو سر آنکھوں پر لیکن اگر یوں ہوتا تو بہتر تھا۔

مندرجہ بالا آیات سے واضح ہو گیا کہ حاکم اعلیٰ (SOVEREIGN) اللہ تعالیٰ ہے لیکن از روئے جمہوریت حاکم اعلیٰ عوام ہیں، اکثریت ہے۔ اب آپ خود فیصلہ فرمائیے کہ آیا اسلام میں جمہوریت ہو سکتی ہے؟ اور اسلامی جمہوریت کا لغزہ لگانا درست ہے؟ ان آیات نے واضح طور پر بتا دیا کہ جمہوریت شرک ہے جمہوریت میں سب کو بچا مقام عوام کا ہے جب کہ اسلام میں سب کو اونچی ہستی اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہے جمہوریت کی رو سے اگر سو میں سے اکاؤن کہیں کہ شراب کی اجازت ہو فی چاہیے تو اجازت ہو جائے گی لیکن از روئے اسلام اگر سارے دنیا کے لوگ اس بات پر متفق ہو جائیں کہ شراب حلال ہے تو پھر بھی شراب حلال اور جائز نہ ہوگی۔ اس لیے کہ شہنشاہ کائنات کا حکم ہے کہ یہ حرام ہے تو پھر اسلام اور جمہوریت کا کیا تعلق؟ مضر میں فرعون نے یہ نعرہ لگایا تھا کہ "أَنَا رَبُّكُمْ الْأَعْلَىٰ" تمہارا سب سے بڑا رب میں ہوں اور جمہوری نظام میں یہ کہا جاتا ہے کہ سب سے



عظیم طاقت عوام ہیں تو پھر فرعونیت اور جمہوریت میں فرق کیا رہا؟ وہاں بھی اللہ تعالیٰ کو سب سے عظیم قرار نہ دیا گیا اور یہاں بھی وہی ہوا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہاں اللہ سبحانہ کا منصب نے در واحد کو دیا گیا اور یہاں وہ منصب تمام عوام کو تفویض کیا گیا۔

## اسلام میں خلافت

اسلام کا سیاسی نظام خلافت ہے یعنی اسلام کی یہ تعلیم ہے کہ اس تمام کائنات کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا وہی اس کائنات کا بلا شرکت غیرے شہنشاہ و فرمانروا ہے اس کائنات میں کوئی ایسی ہستی نہیں جو اس کے حکم کو محفل کر سکے۔ اللہ سبحانہ نے فرمایا:

وَاللّٰهُ يَخْتَرُ لَمْ يَخْلُقْ لَمْ يَخْلُقْ لَمْ يَخْلُقْ  
اللہ سبحانہ و تعالیٰ فیصد فرماتا ہے کوئی بھی اس کے فیصد کو روک نہیں سکتا۔ (الرحلہ ۴۱)

زمین پر اپنا حکم نافذ کرنے کے لئے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے انسان کو تخلیق فرمایا اور اسے اپنا خلیفہ (نائب، نمائندہ، قرار دیا۔

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِذْ جَاعِلُكَ فِي الْاَرْضِ خَلِیْفَةً  
(البقرہ: ۳۰)

”اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا بے شک میں زمین پر اپنا نائب پیدا کر رہا ہوں۔“ اس آیت نے بتلایا کہ انسان زمین پر اللہ تعالیٰ کا خلیفہ (نائب) ہے۔ یہ خود بھی احکام باری تعالیٰ پر چلے اور دوسروں کو بھی اس کے حکم کا پابند بنانے کی پوری کوشش کرے

۱۔ انسان یا کوئی دیگر مخلوق اللہ کا خلیفہ نہیں بن سکتی کیونکہ خلافت کے معنی نیابت اور قائم مقامی کے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنا اختیار کسی کو سونپا ہے اور نہ کسی کو قائم مقام بنایا ہے بلکہ صحیح حدیث کی رو سے کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کے خلیفہ ہیں، سفر کی سنون و دما میں ہے۔ اللهم انت المصاحب والسفر والخلیفة فی الابل (اے اللہ تو سفر کا ساتھی ہے اور گھر والوں میں خلیفہ ہے) شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اسی موضوع پر اپنے طویل فتویٰ میں فرماتے ہیں ”من اعتقد ان الانسان خلیفۃ للہ فقد کفر“ (جس نے انسان کے بارے میں خدا کا خلیفہ ہونے کا عقیدہ رکھا وہ کافر ہو گیا۔ علامہ ماوردیؒ اپنی کتاب الاحکام السلطانیہ میں جمہور سلف کے نزدیک ایسے شخص کو ناقص قرار دیتے ہیں۔ دراصل یہ فکر غالی صوفیاء کے عقائد سے درآمد ہے اور ہم اس کے مضمرات کی طرف توجہ کیے بغیر عموماً آیت مذکورہ میں بھی یہی معنی کر دیتے ہیں۔ حالانکہ اس آیت میں (باقی آگے)

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے جب انسان کو زمین پر بھیجا۔ اسی وقت متنبہ فرمایا تھا کہ میرے حکم پر چلنا ورنہ اچھا نہ ہوگا۔ فرمایا :

قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا مَّا يَتَذَكَّرُ إِلَّا نَجْمُكَ مَقْرَفٌ هُدًى  
فَمَنْ تَبِعَ هُدًى فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ  
وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ  
هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (بقرة: ۳۸، ۳۹)

”ہم نے کہا تم سب اس (جنت) سے نیچے اتر جاؤ جب تمہارے پاس میری جانب سے ہدایت (احکامات، شریعت، آئی، تو جس نے میری ہدایت کی پیروی (تعمیل) کی انہیں نہ کسی قسم کا ڈر خوف ہوگا نہ غم، اور جن لوگوں نے ہماری آیات (ہدایات) کا انکار کر دیا اور انہیں جھٹلایا، یہ لوگ دوزخ میں ہیں۔ وہاں (دوزخ میں) ہمیشہ کے لئے رہیں گے۔“  
حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہی ہدایت فرمائی :

خلیفہ اللہ تعالیٰ کی طرف اصناف ہے اور نہ آدم کا ذکر۔ بلکہ اس آیت میں زمین میں ایسی مخلوق کی آباد کاری کا ذکر ہے جن میں باہمی مخالفت کا نظام قائم ہوگا۔ یعنی لوگوں میں فتنہ و فساد کے بعد اللہ تعالیٰ ایمان اور عمل صالح کے حاملین کو ان کی جگہ آباد کرتے رہیں گے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ خلافت کا یہ مفہوم آیت کریمہ و جعل الليل والنهار خلفة (اللہ تعالیٰ نے رات دن کو ایک دوسرے کا خلیفہ بنا رہا ہے) سے واضح ہے اسی نظام کے پیش نظر فرشتوں نے اس رائے کا اظہار کیا تھا کہ اگر دوزخ میں رہنے والے کو بھیجے گا کیا فائدہ؟ جس کا جواب بعد میں حضرت آدم علیہ السلام کی طرف سے اپنی اولاد جس میں بڑے بڑے نیک لوگوں کی وجہ سے نیک غالب بھی ہے اور نیک کے ذکر کے بعد صاحب قدر و منزلت بھی کی مکمل فہرست پیش کرنے سے دیا گیا۔ آیت بالک دی تفسیر درست ہے جو تفسیر ابن جریر اور ابن کثیر وغیرہ میں ہے ہاں ”عبد“ ”ابنہ“ کا ہے۔ البتہ انبیاء اللہ کے نمائندہ (رسول) ہوتے ہیں اور خلفاء راشدہ ان کے نائب اور خلیفہ۔ اس معنی میں بھی خلافت نبی کی ہوتی ہے نہ کہ اللہ کی۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کو کسی نے خلیفہ اللہ کہا تو آپ نے فرمایا: ”لست خلیفۃ اللہ بل انا خلیفۃ رسول اللہ“ میں اللہ کا خلیفہ نہیں ہوں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہوں (قرآن کریم اور کسی صحیح حدیث میں مشرّفہ کے لئے بھی خلیفہ کی اس ذات کسی انس و جن یا فرشتے کے لئے نہیں ملتی۔ حالانکہ ناتم اللہ۔ بیت اللہ۔ روح اللہ۔ کلمۃ اللہ۔ وغیرہ تشریفی اصناف سے موجود ہیں) مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو الفتاویٰ البکری لابن تیمیہ (مدیر)

فَاَصْبَحَ كُورِيْكُ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا (الطور ۷۸)

”تم اپنے رب کے حکم پر ڈٹے رہو۔ بے شک تم ہماری نگاہوں کے سامنے ہو۔“  
ایک دفعہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد اپنے اوپر حرام کر لیا  
اس پر اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے حکم بھیجا :

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لَعَنُوكُم مَّا أَحْلَا اللَّهُ لَكَ ثَبَّتْ بِنِي مَرْضَاتٍ  
أَزْوَاجِكُ (التحریم)

اے نبی تم وہ چیز کیوں حرام ٹھہراتے ہو جسے اللہ سبحانہ نے تمہارے لیے حلال  
ٹھہرایا۔ (کیا) آپ اپنی ازواج کو خوش کرنا چاہتے ہیں؟  
مندرجہ بالا آیات سے ثابت ہوا کہ اسلام میں حاکم اعلیٰ اللہ سبحانہ ہے اس کے سوا  
کسی بھی اور کو حکم دینے کا حق حاصل نہیں اور نہ ہی اپنے لیے احکام شریعت سے ہٹ  
کر کوئی راستہ متعین کرنے کا حق ہے۔ بلکہ انسان اللہ سبحانہ کی ہدایات کا پابند ہے وہ  
جو کچھ بھی کرے گا یا کرنے کو کہے گا، سب اللہ سبحانہ کی ہدایات کے مطابق کرے گا جس طرح  
کہ پاکستان کا سفیر دوسرے ملک میں اپنے ملک کے حکمران اور عوام کے مفادات کی نگہداشت  
کرتا ہے بالکل اسی طرح انسان اللہ رب العزت کے ارشادات کی زمین پر نگہداشت کرے  
یہی مطلب ہے سورہ ق والقرآن المجید کی اس آیت کا :

”هَذَٰلِكَ أَوْتَعِدُونَ لِكُلِّ ۙ أَوَّلٰبٍ حَقِيۡقًا“ (یعنی اللہ کی طرف سے)  
”یہ جنت وہ ہے جس کا تم میں سے ہر ایک بچکنے اور نگہداشت کر نیوالے وعدہ کیا گیا ہے“  
اور یہی مطلب اس حدیث کا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا اَحْفَظُوا اللّٰهَ يَحْفَظْكُمْ ؕ

”اے لوگو! اللہ تعالیٰ کے احکامات کی حفاظت و نگہداشت کرنا اللہ تمہاری  
حفاظت کرے گا۔“

یعنی انسان زمین پر اللہ سبحانہ کا نمائندہ ہے اس کا خلیفہ اور نائب ہے تمام افعال  
و معاملات اس کی خوشنودی سامنے رکھ کر کرے گا اسی کو خلافت کہتے ہیں اور یہی اسلام  
کا سیاسی نظام ہے نہ کہ اکثریت کی خوشنودی کو نظر رکھنا جو کہ جمہوریت کی اساس ہے۔  
اسلام میں اکثریت کی مذمت ہے :

اللہ تعالیٰ نے سورۃ المائدہ میں فرمایا کہ لوگوں کی اکثریت برائی کی طرف جاتی ہے :

”قَرَأْتُكَ نَذِيرًا قَدْ نَأْيَتِ النَّاسُ لَفَاسِقُونَ“ - (مائدہ ۴۶)

”اور لوگوں میں سے زیادہ بڑے ہوتے ہیں۔“

اور یہی بات شیطان نے اللہ سبحانہ کو چیلنج دے کر کہی تھی کہ لوگوں کی اکثریت میرا ساتھ دے گی۔ اس کی بات اللہ ذوالجلال نے قرآن پاک میں بیان فرمائی تاکہ ہم اس کے چیلنج کو غلط ثابت کرنے کی پوری پوری کوشش کریں اور اپنا وزن شیطان کے نہیں، اللہ و رسولؐ کے پڑے میں ڈالیں۔ شیطان نے اللہ تعالیٰ کو مخاطب کر کے کہا تھا :

وَالْأَقْبَرُ أَكْثَرُ مَعَهُ شَاكِرِينَ (الاعراف ۱۷)

”اور تو ان (بنی نوع انسان) میں سے زیادہ کو شکر گزار نہیں پائے گا۔“ اس نے یہ بھی کہا تھا :

قَالَ فَيُعَذِّبُنَا لِلْغَيْبِ نَحْمُجُّ رُجُومًا (الاعراف ۱۸)

”بولا مجھے تیری عزت کی قسم میں ان (بنی آدم) سب کو بہکاؤں گا۔ سو اے تیرے مخلص بندوں کے (ان پر میرا بس نہیں چلے گا)۔“

اور قیامت کے روز اللہ سبحانہ تعالیٰ انسانوں کو مخاطب کر کے فرمائے گا کہ تم میں سے شیطان کے بہکاوے میں آنے والے زیادہ تھے :

وَلَقَدْ أَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيرًا أَفَلَمْ تَكُونُوا تَعْقِلُونَ (یونس ۶۲)

”اور اس نے تم میں سے زیادہ مخلوق کو گمراہ کر دیا۔ کیا تم عقل سے کلام نہیں لیتے تھے ؟“

اکثریت اللہ تعالیٰ کی ناشکر گزار ہوتی ہے :

إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُونَ (یونس ۶۰)

”اللہ سبحانہ لوگوں پر فضل کرنے والی ہستی ہے لیکن ان (لوگوں) میں اکثریت ناسپاسوں کی ہے۔“

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ سبحانہ نے تسلی و تشفی دے کر فرمایا :

وَالْأَكْثَرُ النَّاسُ وَكَوْهُمْ حَصْبَةٌ يَمُؤْمِنُونَ (یوسف ۱۰۳)

”تمہیں عوام لاپنج ہوا کہ یہ ایمان لے آئیں لیکن ان میں سے زیادہ تو ایمان قبول نہیں کریں گے۔“

اور ایک جگہ یوں فرمایا :

وَأَنْ تَطِيعَ أَمْرًا مَنَ فِي الْأَرْضِ يُصَلُّواكَ عَدُوًّا سَبِيلَ اللَّهِ (الانعام ۱۱۶)  
 "اور اگر تم نے زمین کے باسیوں کی اکثریت کی بات مانی تو وہ تمہیں اللہ کی راہ سے بھٹکا دیں گے  
 ممکن ہے کوئی شخص یہ سمجھے کہ یہ سب آیات کفار کے بارے میں نازل ہوئیں، لیکن یہ خیال  
 درست نہیں۔ ایمانداروں میں بھی اکثریت غلط رہ سکتی ہے اللہ سبحانہ نے فرمایا۔

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ (یوسف ۱۱۰)

اور ان (بنی آدم) میں سے اکثر اس طرح اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں کہ ایمان کے ساتھ  
 ساتھ، وہ مشرک بھی ہوتے ہیں۔

اس کے علاوہ اگر آپ فرداً فرداً قرآن پاک میں مذکور انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں کا  
 حال پڑھیں تو آپ اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ ہمیشہ اکثریت غلط لوگوں کی رہی ہے۔  
انتخابات میں اکثریتی پارٹی

اوپر ہم نے بہت اختصار کے ساتھ قرآن پاک کی روشنی  
 میں واضح کیا کہ اکثریت غلط لوگوں کی ہوتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے والوں سے انکے  
 مخالفین تعداد میں بہت زیادہ تھے۔ لیکن جو لوگ انبیاء علیہم السلام پر ایمان لے آتے ہیں ان میں  
 بھی اکثریت غلط راہ پر چلنے والی ہوتی ہے۔ سوائے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ  
 کے۔ پھر حدیث میں تابعین اور تبع تابعین کو بھی آپؐ نے خیر کے الفاظ سے یاد فرمایا۔ مگر دیگر  
 انبیاء علیہم السلام کے ساتھی تو اکثریت میں غلط رہے تھے۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دو ساتھیوں  
 کے سوا سب نے انہیں سر میدان دو ٹوک الفاظ میں کہہ دیا کہ ہم آپ کی کوئی مدد نہیں  
 کر سکتے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں نے انہیں بیچ دیا۔ لیکن حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۱۰۔ اس آیت میں ایمان سے مراد خدا تعالیٰ کی ربوبیت کا یقین ہے ورنہ جب توحید کے یقین کے ساتھ طلب بھی پیدا ہو جائے  
 تو پھر شرک بڑا مشکل ہوتا ہے ایسی توحید جیسی کہ نام توحید الوہیت اور توحید علوۃ ہے جو انبیاء کی اصل دعوت ہے قرآن  
 کریم میں جب بجا توحید ربوبیت کا اقرار کرنے کے بعد توحید الوہیت کی دعوت ہے۔ سورہ شعراء  
 پ ۲۰ کی آیات امن خلق السموات والارض ..... قل ہا تو ابرہانکم  
 ان کنتم صدقین سے یہ انداز کلام ملاحظہ ہو۔ (محدث)



کے صحابہ ایسے نہ تھے اس لئے بدر کے میدان میں صحابہ نے حضرت رسول اللہ صلعم سے کہا کہ ہم حضرت موسیٰ کے ساتھیوں جیسے نہیں۔ صحابہ کا حضرت موسیٰ کے صحابہ پر طنز کرنا یہود کو دکھا گیا چنانچہ انہوں نے مسلمانوں میں ایک گروہ پیدا کیا جنہوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ حضرت رسول اللہ صلعم کے صحابہ بھی آپ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد زندہ ہو گئے۔ نعوذ باللہ!

اس طرح یہود نے اپنا مقصد پورا کر لیا کہ اگر ہمارے نبی کے صحابہ بے وفات تھے تو تمہارے رسول کے صحابہ کون سے وفادار تھے ہنر صرف اتنا ہے کہ یہ ان کی زندگی میں بے وفا ہو گئے۔ اور تمہارے رسول کے ساتھی ان کی زندگی میں منافقوں کی طرح اپنے نبی کے ساتھ رہے اور آپ کے وفات پانے کے بعد کھل کر اسلام سے خارج ہو گئے۔ ورنہ تمہارے رسول کے صحابہ کو تمہارے رسول کے صحابہ پر کوئی فوقیت حاصل نہیں۔ کاش مسلمان دشمنوں کی اس سازش کو سمجھتے۔

(غرض کہ اکثریت نیک اور عقل مند لوگوں کی نہیں ہوتی اور یہ اصول صرف انسانوں ہی میں نہیں۔ ہر جگہ اور ہر چیز میں ہے۔ پتھروں کے مقابلہ میں پیرے جو اہر کم ہوتے ہیں سوئے کے مقابلہ کو زیادہ ہوتا ہے۔ صنوبر کا درخت سو سال میں جا کر تیار ہوتا ہے جب کہ گھاس چھوٹی چند جمعوں میں ہفتوں میں۔ اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ لِلَّهِ الشُّعْبُ وَالْغَيْبُ وَلَا تَلْبِيسُ وَلَا تُدْرِكُ الْبَصَرُ (الحجرات: ۱۰۰)

”کہہ دو کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں ہو سکتے خواہ تمہیں ناپاک کی اکثریت بھلی ہی کیوں لگے“  
تو چمپر یہ اصول کتنا غلط ٹھہرا کہ اکثریتی پارٹی اقتدار سنبھالے۔ چاہے تو یہ تھا کہ اچھی پارٹی ملک کی ہاگ دوہرا تھیں۔ لیکن دین جمہوریت میں غ  
برعکس نہند نام زندگی کا فورہ

والی بات ہے۔

### جمہوریت عقل کی کسوٹی پر

کافر ممالک جمہوریت کی جتنی چاہیں تعریف کریں لیکن اس کے عقلی طور پر بھی غلط ہونے میں ذرا برابر شبہ نہیں۔ یہ کتنا زبردست دھاندلی والا اصول ہے کہ ایک چوٹی کے عالم دین کا بھی ایک ہی ووٹ اور ایک فاسق ویدکر دار کا بھی ایک ووٹ، ایک بہت بڑے قانون دان کا بھی ایک ہی ووٹ اور جنگلوں میں بھیڑ بکریاں چرانے والے علم و

دانائی اور تہذیب و تمدن سے بے گانہ شخص کا بھی ایک ووٹ۔ دنیا اس اصول کو درست کہتی ہے تو کہے لیکن ایک سلیم العقل شخص اسے درست تسلیم نہیں کر سکتا اور یہی ارشاد اٹل سبحانہ و تعالیٰ کا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد فرمایا:

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ (الانعام: ۵۰)

کہہ دو کہ کیا نابینا اور بینا برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا تم غور و فکر سے کام نہیں لیتے۔ دوسری جگہ فرمایا۔

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (الزمر: ۹)

کہہ دو کہ کیا صاحب علم اور علم سے کوہرا برابر ہو سکتے ہیں؟

سورہ رسالت ۱۶ میں اور سورہ فاطر آیت ۱۷ میں فرمایا کہ اندھا اور بینا برابر نہیں ہو سکتے۔ نہ روشنی اور تاریکی برابر ہو سکتی ہے۔ اسی لیے علامہ اقبالؒ نے بھی جمہوریت کو غلط کہا۔ جب اندر سے عقل کم تر اور بہتر برابر نہیں تو جو لوگ بڑھیا اور گھٹیا دونوں کو برابر تو لیں تو پھر ہم ۵

ہر عقل و دانش بیاہد گریست

ہی کہہ سکتے ہیں علامہ اقبالؒ نے اس برائی کو کتنے عمدہ طریقے سے بیان کیا ہے فرماتے ہیں ۵  
فرنگ آئین جمہوری نہاد است رسن از گردن دیوے کشاد است  
ایک جگہ ان الفاظ میں جمہوریت کی مذمت فرمائی ۵

"گیریز از طرز جمہوری غلام پنجمہ کار شو کہ از مغز و دسدھر فکر انسانی نمی آید  
ارمنان حجاز میں جمہوریت کا سکہ وہ چہرہ ان الفاظ سے صاحب بصیرت لوگوں کے سامنے  
پیش کیا ۵

تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام چہرہ روشن اندروں چگیر سے تاریک تر  
گو قائد اعظم نے بیگم جمہوری طریقوں سے لڑی لیکن ان کے سامنے یہ جمہوری تھی کہ کافر کے  
اقتدار میں وہ اسی طرح اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکتے تھے مگر اس کے بعد والی حکومتوں کو یہ جمہوری  
ورپیش نہ تھی۔ لیکن پاکستان کی گاڑی جمہوریت کی پٹری پر ہی چلتی رہی کسی بھی جماعت نے اس کے  
خلافت کا نعرہ نہ لگایا ہر پارٹی کا یہی مقصد رہا کہ اقتدار تک پہنچا جائے اور اقتدار کو حاصل کرنے  
کے لیے چونکہ عوام کی اکثریت کا ہمنوا بنانا ضروری تھا اس لیے دین کا دعویٰ کرنے اور اسلامی نظام

کا نعرہ لگاتے ولے بھی قبروں پر گئے پھوپھوں کی چادریں چڑھائیں اور دوسرے طریقوں سے قبروں کا وہ احترام ظاہر کیا جو شریعت میں شرک کہلاتا ہے۔ حالانکہ شرک اسلام میں سب سے بڑا جرم ہے اور ایسی کو مٹانے کے لیے اللہ سبحانہ نے کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی اور رسول مبعوث فرمائے پھر اسلام کا دعویٰ کرنے والی جماعتوں نے اسلام کی اساس یعنی توحید کو ہی جب ڈھکیا تو پیچھے رہ گیا، اگر یہ لوگ اس نظریہ سے قبروں پر گئے کہ اقتدار مل جانے کے بعد اپنی اور لوگوں کی اصلاح کر لیں گے تو یہ نظریہ بہت غلط ہے اور یہ لوگ اندرون اسلام اللہ تعالیٰ کی نظر میں معذور نہیں گئے جائیں گے اس لیے کہ اس طرح تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کے لوگ اقتدار پیش کر رہے تھے۔ آپ توحید کی تبلیغ سے دست بردار ہو کر اقتدار قبول فرما لیتے اور اقتدار پر قابض ہو کر اپنے نظریہ کے مطابق اسلامی ریاست تشکیل دے لیتے لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد تھا کہ :

فَلَا تَدْعُ بِمَا تُؤْمَرُ وَادْعُ بِمَنْعِ الْمَشْرِكِينَ . (الحجر ۹۴)  
 ”جس کا تمہیں حکم دیا گیا تم اسے دو ٹوک بنا دو اور مشرکوں سے منہ موڑ لو۔“  
 دوسرے جگہ اللہ سبحانہ نے فرمایا۔

يَا أَيُّهَا (الرَّسُولُ) سَبِّحْ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَارِئْ لَهُمُ لَفْعَلُ  
 فَمَا بَلَغْتَ رِسَالَتَهُ (الأنعام ۱۶۴)

”اے رسول جو تمہاری طرف وحی کی جاتی ہے اسے (لوگوں تک) پہنچا دو جیسے اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم نے اس کے پیغام کی تبلیغ نہیں کی۔“  
 اور اللہ ذوالجلال نے فرمایا :

فَلَا تَطِيعُ الْمَلَائِكَةَ بَيْنَ يَدَيْهِمْ قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّاهُ . (النجم ۱۰۸)  
 ”تو تم جھٹلانے والوں کی بات نہ ماننا یہ چاہتے ہیں کہ تم نرم ہو جاؤ کچھ یہ نرم ہو جائیں۔“

اسی طرح سیاسی جماعتوں نے جب دیکھا کہ بتدعین تعداد میں زیادہ ہیں اندرون جمہوریت جب تک ہم اکثریت کی ہمدردیاں نہ جیت لیں اقتدار ہمیں نہیں مل سکتا تو ان جماعتوں نے شرک کی طرح بدعات کو بدعات سمجھنے کے باوجود انہیں رواج دیا ان کو یہ نظر آیا کہ اس طرح ہم اپنے

مناہضین کو جن کو کہ مبتدعین اپنے رہنما سمجھتے ہیں، چاروں شانے چت گر ادیس گے لیکن یہ بات ان کی نظروں سے اوجھل ہو گئی کہ تم تو انہیں کیا گراؤ گے لیکن شیطان نے تمہیں صراطِ مستقیم سے ہٹا کر گمراہی کی پگڑیوں پر لگا دیا اور چاروں شانے چت گر ادیا ہے۔ اور یہ جمہوریت کو پاکستان کی اساس تسلیم کرنے سے ہوا۔ یعنی جمہوریت نے اہل پاکستان کو مشترک و بدعت کی راہ پر لگا دیا۔ اگلا

مَنْ رَحِمَ رَحِمَ !

پاکستان میں اتحاد و بے دینی کے جو طوفان اور جھکڑ چل رہے ہیں اس کی ذمہ داری بھی جمہوریت پر آتی ہے کیونکہ جب ہم نے جمہوریت کو تسلیم کر لیا تو اس کے تمام اصول یہاں برگ و بار لانے گئے جمہوریت کے اصولوں میں ایک زبردست اصول "آزادی اظہار رائے" بھی ہے۔ اس اصول کا سہارا لے کر یہاں طاغوتی قوتیں کھل کھیلیں۔ امریکہ نے یہاں عیسائیت کا پرچار کر دیا۔ روس نے سوشلزم کے حامی کھڑے کیئے۔ قادیانیت بڑھی پھولی، فحاشی و عریانی اپنے جوہن پر آئی، انیٹلکچر پھر چھپا یہاں تک کہ کبھی خان کے زمانہ میں کھلم کھلا اسلام کے خلاف کفر بکا جانے لگا قوم کے خزانہ سے تنخواہ پانے والے استاذ نے قوم کے نو بہانوں کو اچھی تربیت دینے کے بجائے اتحاد کا لیکچر دینا شروع کیا۔ اسلام کو چودہ سو سال پرانا گنداجوہر قرار دیا محمد بن قاسم کو ٹیڑھا کہا گیا اور ایک کافر راجہ دابہر کو ملک کے ہیرو کے نام سے یاد کیا گیا تا آنکہ پینل پارٹی کے زمانہ اقتدار میں سندھ کی صوبائی اسمبلی میں رانا چندر سنگھ نے اس بنیاد پر کہ میں عوام کا نمائندہ ہوں جمہور ہی نمائندہ ہوں، اسلام کے خلاف زہر افشانی کی یہ سب کچھ جمہوریت کو تسلیم کر لینے کی وجہ سے ہوا حالانکہ اسلام میں یہ حکم ہے کہ اگر ذمی اسلامی شعائر کی تضحیک اڑائے یا اللہ سبحانہ و تعالیٰ یا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرے تو اسلامی حکومت کا اس سے کیا ہوا معاملہ غصہ ہو جاتا ہے اس کی جان، مال اور آبرو کی حفاظت کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے اور اسے قتل کرنا واجب ٹھہرتا ہے۔ بخاری شریف اور دوسری حدیث کی کتابوں میں یہ ثابت ہے کہ جب ذمیوں نے ایسی حرکتیں کیں تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں قتل کر دیا۔ مثلاً کعب بن اشرف، ابن ابی الحقیق وغیرہ۔

آزادی اظہار رائے کے نام پر لسانی و صوبائی عصیت کی آگ بجھڑ کاٹی گئی اور اس طرح پاکستان کے وجود کو خطرہ لاحق ہو گیا۔ سندھ، سرحد، اور مشرقی پاکستان میں یہ فتنے پروش پاتے رہے حتیٰ کہ ان فتنوں نے خوفناک اثر دہا کی شکل اختیار کر لی۔ نتیجہ یہاں تک پہنچا کہ پاکستان کا ایک بازو دکھلا لگا

جو گیت یہ سب کچھ جمہوریت کو تسلیم کرنے کی وجہ سے ہوا۔ اسی جمہوریت کی وجہ سے سہروردی نے مخلوط انتخاب کا نعرہ لگایا اور مسلمان نے اپنے اس اندلی دشمن یعنی ہندو کو جس سے ہم نے الگ ہو کر زمین کا ایک خط حاصل کیا تھا کہ یہاں ہم اسلام کو نافذ کریں گے، ووٹ کا کلباڑا پکڑا دیا کہ یہ یو کلباڑا ڈسٹرکٹ پاکستان کی جڑوں پر اس کی دھار کی تیزی آزمادہ ہندو نے فدا نہ کرنا ہی برقی اور آخر کار مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بن گیا۔

جمہوریت کے اصولوں کے مطابق ہمیشہ پاکستان کی حکومت کے لیے جو نمائندے منتخب ہوئے انہیں دو گروہوں میں بانٹ دیا گیا۔ حزب اقتدار اور حزب اختلاف۔ حزب اقتدار کے ہر رکن کا یہ کام رہا کہ اپنے گروپ کی ہر برائی پر پردہ ڈالے اور حزب اختلاف کا یہ کام رہا کہ حزب اقتدار کی نیکیوں کو بھی برائی کے روپ میں پیش کرے۔ حالانکہ اردوئے اسلام دونوں کا طریق کار غلط ہے، حزب اقتدار کے ہر رکن نے برائی میں دوسرے رکن کا تعاون کیا۔ حالانکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے:

”وَلَا تَقْوَا اللَّهَ أَنْ تَوَاعَدَ الْإِثْمَ وَالْعُدَاوَاتِ (المائدہ ۱۰۵)  
”گناہ اور ظلم میں کسی کا تعاون نہ کرو۔“

اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”مَنْ دَاعَىٰ مَنْكَرٌ فَلْيَغْدِرْ بِهِ دَاخِلٌ لِمِصْطَبِ فِلْسَافَةٍ (الحدیث)  
”تم میں سے جو شخص برائی دیکھے وہ اسے ہاتھ سے ختم کر دے اور اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے ختم کر دے۔“

یعنی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضہ کو حزب اقتدار نے ترک کر دیا۔ اور حزب اختلاف نے یوں خلاف شریعت کیا کہ اگر حزب اقتدار صحیح کام بھی کرے تو اس میں کیڑے نکالو کیچڑا اچھا لو۔ حالانکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے:

وَقَوَّاهُ وَتَوَاعَدَ الْإِثْمَ وَالْعُدَاوَاتِ (المائدہ ۱۰۵)

”اور نیکی اور تقویٰ میں (ایک دوسرے کا) تعاون کرو۔“

اور اس طرح بھی خلاف شرع ہوا کہ نادر و کسی کو ذلیل کرنا اسلام میں سنگین جرم ہے لیکن حزب اختلاف، حزب اقتدار کو رسوا کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔ تاکہ عوام کو ان سے متفرک کر سکے اور آئندہ عوام انہیں ووٹ نہ دیں۔ حدیث پاک میں ہے:

”اَهْرَاقِ عَصَا الْمُؤْمِنِ كَقَتْلِهِمْ  
”مومن کو ذلیل کرنا قتل کرنے جیسا گناہ ہے۔“



جب عوام نے دونوں گروپوں کا یہ طریقہ دیکھا تو وہ اندھیرے میں رہنے لگے اس لیے کہ صحیح خبر نہیں جنرل اختلاف کی صحیح خبر بھی اسی بیان پر رکھی گئی کہ ذیل کرنے کے لیے کہہ رہے ہیں اور حزب اقتدار تو پردہ پوشی کر ہی رہا تھا چنانچہ عوام بھلے برے کی پہچان کرنے سے عاجز ہو گئے۔ اور حزب اقتدار کا ہر رکن اپنی پشت پر برسرِ اقتدار پارٹی دیکھ کر لوٹ کھسوٹ میں لگ گیا اس سے ملک میں چوڑا زاری رشتہ ستانی حکومت کے ٹھیکوں میں نکما کام وغیرہ برائیاں پیدا ہوئیں اور ان سے افراط و تفریط نے جنم لیا۔ اسی طرح جمہوریت کی وجہ سے ملک کا معاشی استحکام متزلزل ہو گیا۔

### شعر و ادب

# چما بک لکھنا

تو ذوالجلال ہے تو خدا کے قریب ہے  
تو صیف مکہ رہا ہوں میں تیرے کمال کی  
گر داب حادثات میں گھر کر بھی اے خدا  
شاہ وزیر و منعم و محکوم و حکمران  
حادی ہے تیرا علم قریب و بعید پر  
حاصل ہو جس کو تیری محبت کی روشنی  
یکتا ہے، لاشریک و علیم و بصیر ہے  
طاری دل و داغ پر کیف صبر ہے  
دل ہے کو تیرے ذکر سے راحت پذیر ہے  
جو شخص بھی ہے تیرے ہی در کا فقیر ہے  
تو اعلم الغیوب و سمیع و بصیر ہے  
دراصل آدمی وہی روشن ضمیر ہے  
راسخ و کم ہے اس کا شمیم بہارِ خدا  
اس کا عتاب شعلہ ناریہ سمیر ہے

# Monthly MOHADDIS Lahore-16

## ISLAMIC RESEARCH COUNCIL

- ✱ عباد اور تعصب قوم کے لیے زمرِ باطل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لیکن تعصبات سے بالاتر رہ کر اقام و تقسیم امت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔
- ✱ علوم جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں سبیل کا درجہ رکھتے ہیں۔
- ✱ لیکن قدیم علوم اسلامیہ کو فساد و فساد قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دقیا نوس بتانا امت کی تباہی کا سبب ہے۔
- ✱ غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اقدار کے منافی ہے۔ لیکن دین اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا، حیثیت دینی اور غیرت اسلامی سے کیسے انحراف ہے۔
- ✱ تبلیغ دین اور نشر و اشاعت اسلام میں حکمت عملی کو نظر انداز کر دینا مصالح دینیہ کے خلاف ہے۔ لیکن حرام و حلال کے امتیاز میں رواداری برتنا اور قوانین و مسائل اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کرنے کے مترادف ہے۔
- ✱ آئین و سیاست سے بیگانہ ہو کر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے۔ لیکن ع۔ جہاد میں سیاست تو رہ جاتی ہے چنگیزی
- ✱ جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عباد و صالحین کے اوصاف میں داخل ہے۔ لیکن جاہلیت کو ٹھانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔



اگر آپ ایسا منصفانہ اور مفید رائے دینا چاہتے ہیں تو :

## مَحَلَّت

کا مطالعہ فرمائیے۔ آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے ان شاء اللہ۔ کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرز فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

نی پریچ ۱۵۰ روپے

زیر سالانہ ۱۵ روپے